خصوصی اشاعت ۲

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مئی ۱۹۹۳ء

جاری کردہ :

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

ترجمۂ قرآنِ مجید

مع مختصر حواشی

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

اس میں مترجم نے قرآن حکیم کے متن اور
تفہیم القرآن کے ترجمے کے ساتھ بہت مختصر حواشی
درج کر دیے ہیں تاکہ عام لوگ جو قرآنِ مجید کا سیدھا سادہ
مفہوم سمجھنا چاہتے ہیں وہ ایک ہی جلد میں

تفہیم القرآن

کے خلاصے سے فائدہ اٹھا سکیں

سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ ● صفحات: ۱۵۸۴ ● ھدیہ: ۱۷۵/- روپے

اِدارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار، لاہور

فون: ۲۳۴۰۱۴ - ۲۳۶۶۶۵ ● پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

ماہنامہ

ترجمان القرآن

خصوصی اشاعت حج

جاری کردہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

ماہنامہ

ترجمان القرآن

لاہور

رجسٹرڈ نمبر ایل ۔ ۵۳۲۰

جلد ۱۱۹ عدد ۵

مئی ۱۹۹۳ء ذی قعدہ ۱۴۱۳ھ

فہرست مضامین

برائے ادارتی امور: منصورہ، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۷۰ فون نمبر ۴۲۰۱۲۴۸ ، ٹیلیکس ۰۴۲-۰۲۰۱۹

برائے انتظامی امور: رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور ۵۴۰۰۰ فون نمبر ۲۲۳۰۱۴ ، ۲۲۴۶۶۵

پوسٹ بکس نمبر ۱۴۴۳

زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ مینیجر ترجمان القرآن لاہور کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

ذاتی چیکس قابل وصول نہ ہونگے۔

قیمت خصوصی اشاعت حج بارہ روپے ○ زر سالانہ ۶۰ روپے (اندرون ملک)

عرب ممالک، خلیجی امارات و برصغیر: ۱۸۰ روپے یورپ: ۲۵۰ روپے امریکہ و آسٹریلیا: ۳۲۵ روپے

پرنٹر: فاروق ..... نے مکتبہ جدید پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرم مراد

۱۸ / اپریل ۱۹۹۳ کو صدر مملکت نے ایک مرتبہ پھر عوام کی منتخب کردہ قومی اسمبلی کو توڑ دیا ' اور وفاقی کابینہ کو برطرف کر دیا۔ یہ کوئی نیا یا انوکھا حادثہ نہیں ' کہ پاکستان میں روز اول ہی سے اسمبلیوں جیسے جمہوری اداروں کا مقدر یہی رہا ہے کہ وہ ایک فرد واحد کے من مانے حکم پر توڑی جاتی رہیں۔ یہ فعل جب بھی کیا گیا ' قابل مذمت تھا۔ لیکن گزشتہ پانچ برس کی قلیل مدت میں تیسری مرتبہ اعلیٰ ترین دستوری ادارہ کا اس طرح ختم کر دیا جانا نہ صرف ایک سخت تشویش ناک حادثہ ہے ' بلکہ ہر مسلمان کا بحیثیت مسلمان ' اور ہر محب وطن پاکستانی کا فرض ہے کہ وہ اس کی شدید مذمت کرے۔ دستور و قانون کی زبان کے مطابق اس اقدام کی قانونی حیثیت کا معاملہ تو اب عدالت عالیہ کے سامنے ہے اور ہم اس بارہ میں کوئی رائے زنی نہیں کرنا چاہتے ' لیکن ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ عوام کے منتخب کردہ جمہوری ادارہ کو ایک فرد واحد کی طرف سے اس طرح کالعدم کر دیے جانے کا کوئی اخلاقی یا سیاسی جواز موجود نہ تھا۔ اور وہ بھی ایسے صواب دیدی اختیار کے تحت جو مارشل لا کی لٹکتی تلوار کے سایہ تلے حاصل کیا گیا تھا ' جو آغاز ہی سے متنازعہ رہا ہے ' اور جس کی ہم نے اسی وقت مخالفت کی تھی جب یہ اختیار مانگا گیا تھا ' اور دیا گیا تھا۔ یہ اختیار ۱۹۷۷ کے تجربہ کی روشنی میں صدر اور وزیراعظم کے درمیان توازن کے نام پر حاصل کیا گیا تھا ' اور خیال یہ تھا کہ یہ انتہائی غیر معمولی اور ہنگامی حالات میں قوم کو صرف کسی حادثہ سے بچانے ہی کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ لیکن گزشتہ پانچ برسوں کا تجربہ یہ بتا رہا ہے کہ ہر وہ حالت " غیر معمولی اور ہنگامی " ہے ' قوم کو " حادثہ " سے دوچار کرنے والی ہے ' جو صدر مملکت کو ناپسند ہو ' یا ان کے مفاد کے خلاف ہو۔ کیا اعلیٰ ترین دستوری اداروں کو اس طرح

ایک فرد واحد کے رحم و کرم پر چھوڑا جانا کسی طرح بھی قبول ہو سکتا ہے ؟

دکھ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ گزشتہ چالیس سال سے ملک کے سیاسی نظام کے ساتھ مسلسل یہی کھیل کھیلا جا رہا ہے کہ ایک فرد واحد ' کبھی بصورت صدر اور کبھی بصورت جنرل ' جب چاہتا ہے ' برے بھلے منتخب اداروں کو بیک بینی و دوگوش رخصت کر دیتا ہے۔ کردار بدلتے رہے ہیں ' پلاٹ ایک رہا ہے ' مزید افسوس کی بات اب یہ ہے کہ یا تو ملک میں انتخابات ہوتے ہی نہ تھے ' اور ہوتے تھے تو بنیادی جمہوریت ' بالواسطہ رائے دہی اور غیر جماعتی انتخابات جیسے حربوں کے تحت ' اور یا اب حال میں برے بھلے انتخابات ہونے لگے ' تو منتخب اداروں کو کام کرنے کا موقع دینے سے پہلے ان کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ ان جاگیردار اور بیوروکریٹ سیاست دانوں کی بداعمالیوں سے انکار نہیں جنھوں نے آغاز پاکستان ہی سے سیاست پر قبضہ جما کر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے ' لیکن اس سے بھی انکار نہیں کہ ملک میں طویل عدم استحکام کا ' بلکہ اس کے دو لخت ہو جانے کا ' سب سے بنیادی سبب جمہوری اداروں کا نہ ہونا ' ان کا بے اختیار ہونا ' اور ان کی زندگی اور قسمت کا اختیار ایک فرد واحد کی مٹھی میں ہونا ہی ہے۔

گزشتہ چالیس سال میں ایسے تمام اقدامات کو جائز ثابت کرنے کے لیے تقریباً ایک ہی قسم کے الزامات طوطے کی طرح رٹے جاتے رہے ہیں۔ ۱۹۵۴ میں اس وقت کے گورنر جنرل کی طرف سے دستور ساز اسمبلی توڑتے ہوئے جو کہا گیا ' یا ۱۹۵۸ میں نوزائیدہ دستور اور اسمبلی دونوں کا گلا گھونٹتے ہوئے اس وقت کے صدر اور کمانڈر انچیف نے جو ارشاد فرمایا ' ۱۹۶۹ ' ۱۹۷۷ ' ۱۹۸۸ یا ۱۹۹۰ ' کے اقدامات کے وقت جو دلائل دیے گئے ' یا آج ۱۹۹۳ میں قومی اسمبلی توڑتے ہوئے جو جواز پیش کیا گیا' آپ دیکھ لیں ان کے درمیان کوئی جوہری فرق نہیں۔ شاید ایسے ہی لوگوں پر قرآن مجید کی یہ آیت صادق آتی ہے کہ اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ (کیا ان سب نے آپس میں اس پر کوئی سمجھوتہ کر لیا ہے ؟ نہیں ' بلکہ یہ سب سرکش لوگ ہیں)

وہی عوام کے نام اور ملک بچاؤ کی دہائی ' وہی جمہوریت کی نقاب اور اس سے وفاداری اور اس کے تحفظ کا دم بھرنا ' وہی عوام کے اختیار کی بالاتری ' اور ان کو اقتدار منتقل کرنے کا اقرار ' اور انتخابات کا وعدہ ' وہی امن و امان کی خرابی ' معاشی بدحالی ' بدعنوانی اور رشوت خوری ' دستور کی خلاف ورزی ' اختیارات سے تجاوز اور ان کے غلط استعمال اور مفاد پرستی کے الزامات ۔ ہم ان کے صحیح یا غلط ہونے کی بحث میں نہیں پڑتے ' لیکن جن لوگوں نے یہ الزام لگائے ان کو پورے پورے اداروں پر جج بننے کا حق کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے ؟ جب کہ وہ خود ملزمین سے کسی

طرح بھی مختلف نہ تھے نہ ہیں ' یا ان کے چنیدہ وہ افراد جن کو انہوں نے جانے والوں کی جگہ مسند اقتدار پر لا کر بٹھایا۔ یہ نام کے لیاقت علی خان ' غلام محمد ' سکندر مرزا ' ناظم الدین ' محمد علی بوگرہ ہوں ' یا غلام اسحاق خاں ' ضیاء الحق ' جونیجو ' نواز شریف ' بے نظیر آصف زرداری یا بلخ شیر مزاری۔

آج کے حالات کو ذرا غور سے دیکھیے ' آج جن کو برطرف کیا گیا ہے ' ۱۹۸۸ میں اسمبلی برطرف ہوئی تو یہی چہیتے اور منظور نظر تھے۔ ۱۹۹۰ میں اسمبلی توڑی گئی تو ہما ان ہی لوگوں کے سر پر بیٹھا بلکہ ان ہی لوگوں کو برسراقتدار لانے کے لیے اسمبلی توڑی گئی ' جن کو سنگین الزامات لگا کر نکالا گیا ' وہی سب دوبارہ اسمبلیوں میں آ کر بیٹھ گئے۔ آج وہی جو ۱۹۹۰ میں محبوب تھے ' اتنے مغضوب ہو گئے کہ کوئی خرابی ایسی نہیں جس سے وہ پاک ہوں۔ بلکہ ابھی ۴ ماہ پیشتر کی بات ہے کہ صدر مملکت نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ' چند بالواسطہ تنقیدوں کے باوجود اس حکومت کو "اچھے چال چلن" کا سرٹیفکیٹ عنایت فرمایا۔ پھر یہ چار ماہ میں کیا انقلاب ماہیت ہو گیا!

کیا یہ کہ صدر مملکت کے آئندہ پانچ برس کے لیے انتخاب کی مہم شروع ہوئی اور وزیراعظم اس بینڈ ویگن پر سوار نہ ہوئے ؟ کیا یہ کہ وزیراعظم نے آٹھویں ترمیم کے تحت صدر کے صوابدیدی اختیار ختم کرنے کی بات شروع کر دی ؟ کیا یہ کہ وزیراعظم نے چیف آف آرمی اسٹاف کے عہدہ کے لیے صدر کے تجویز کردہ پہلے نام پر صاد نہ کی ؟ کیا یہ کہ سابق چیف آف آرمی سٹاف کی اہلیہ نے وزیراعظم کے دو رفقاء پر اپنے شوہر کے قتل کا الزام لگا دیا تھا ؟ گزشتہ چار ماہ میں وقوع پذیر ہونے والے اہم واقعات تو یہی ہیں۔ صدر مملکت کی بقیہ چارج شیٹ کا تعلق تو صرف ۲۹ ماہ نہیں ' بلکہ ۸ سال کی مدت پر محیط ہے۔ آٹھویں ترمیم کا معاملہ ہو یا صدر مملکت کی مزید پانچ برس کے لیے صدر بننے کی خواہش ' یہ سیاسی معاملات تھے ' منتخب اداروں کو توڑے بغیر سیاسی طور پر حل کیے جا سکتے تھے ' اور بڑی حد تک حل کیے بھی جا چکے تھے۔ باقی اگر صدر مملکت کے پاس الزامات کی ایک فائل موجود تھی ' تو اس کے ازالہ کا دستوری راستہ یہی تھا کہ وہ اسے اسمبلی کے سامنے پیش کر کے وزیراعظم کو اسمبلی کے ذریعہ معزول کراتے۔ لیکن سارے شواہد یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جناب صدر ' وزیراعظم کو نکالنے کا تہیہ کر چکے تھے ' اور ایک بزرگ سیاست دان اور ملک کے اعلیٰ ترین منصب کا حامل ہونے کی حیثیت سے ملک کے سیاسی اداروں کو صحیح رہنمائی فراہم کرنے اور ان کو مستحکم کرنے کے بجائے وہ ان عناصر کے درمیان گھر چکے تھے جو سیاسی

اداروں کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

پھر کیا صدر محترم کی طرف سے حکومت کے خلاف چارج شیٹ کے ضمن میں چیف آف آرمی سٹاف کی تقرری کے مسئلہ کو رکھنا اور بیگم آصف نواز کی داد رسی کا وعدہ کرنا' دونوں ہی' فوج کو سیاست میں گھسیٹنے کی افسوسناک کوشش نہیں ہے۔

تعجب کی بات یہ بھی ہے کہ وزیراعظم کی کابینہ کے وزراء' دیگر عہدہ دار' ایوان صدر میں جا جا کر اپنے استعفے پیش کرتے رہے' مگر اسمبلی کو طلب نہ کیا گیا۔ ادھر جب اسپیکر نے اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا جو وزیراعظم پر اعتماد یا عدم اعتماد کا فیصلہ کرنے کا آخری مجاز ادارہ تھا' تو جناب صدر نے اسی رات اس مجاز ادارہ ہی کو چلتا کر دیا۔ سیدھی انگلیوں سے گھی نہ نکلتا ہو تو ٹیڑھی انگلیوں ہی سے سہی۔ چارج شیٹ ساری کی ساری وزیراعظم کے خلاف تھی' تو پھر پوری اسمبلی کو کس قصور کی سزا دی گئی!

سب سے بڑھ کر بے اصولی کا مظاہرہ یہ ہوا کہ ایک "بدعنوان" حکومت کو برطرف کر کے جو نگراں حکومت بنائی گئی' اس کی اکثریت سکہ بند جاگیرداروں پر مشتمل ہے جو مرغ بادنما کی طرح کبھی مسلم لیگ میں' کبھی کنونشن لیگ میں' کبھی پیپلز پارٹی میں اقتدار کے ساتھ ساتھ اپنا قبلہ تبدیل کرتے رہے ہیں' اور جن کے مظالم اور بدعنوانیوں پر ان کا ایک ایک مزارع شاہد ہے۔ یا پھر اس کی سیاسی بنیاد وہ پارٹی ہے جس کی حکومت کو بمع اسمبلی' جناب صدر خود ہی ۳۳ ماہ قبل' ٹھیک اسی قسم کے الزامات لگا کر' گھر بھیج چکے تھے۔ اس پارٹی کے جو سیاسی لیڈر برطرفی کے وقت ان کے دائیں بائیں بیٹھے تھے' ان کے خلاف ان کے اپنے دائر کردہ بدعنوانیوں کے ریفرنس اب تک عدالتوں میں زیر سماعت ہیں' اور ان کی پیروی پر حکومت ۲ ارب روپے کے لگ بھگ خرچ کر چکی ہے۔ یہی وہ پارٹی ہے جس نے ۱۹۷۷ کے انتخابات میں اس پیمانہ پر دھاندلیاں کیں کہ پورا ملک اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ کیا اب پھر یہ پارٹی اسی قسم کے "منصفانہ" انتخابات کرائے گی؟ یہ وہی پارٹی ہے جس نے اپنی حکمرانی کے دونوں ادوار میں' عوامی حقوق کی پامالی' ان پر ظلم و ستم' سنگین بدعنوانیوں اور عدلیہ کے خلاف کارروائیوں کے نئے نئے ریکارڈ قائم کیے۔ کیا اب وہ ان تین ماہ میں ان ریکارڈوں کو اور "بہتر" بنانے کا کارنامہ سرانجام دے گی؟

اس تناظر میں کیا ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب نہ ہوں گے کہ صدر مملکت کا حالیہ اقدام بنیادی طور پر انا' عناد اور اپنے مفاد کی حفاظت کی فکر کا شاخسانہ ہے؟

آج ملک عزیز جس بحران کا شکار ہے اس کی بنیادی وجہ وہ بے اصول سیاست ہے جو اس ملک میں آغاز ہی سے غالب ہے۔ ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ اس کی جڑیں صرف ایوان صدر ہی میں گہری اتری ہوئی نہیں ہیں ' بلکہ وزیراعظم ہاؤس بھی کچھ پیچھے نہیں۔ سابق وزیراعظم نے اپنے ڈھائی سالہ دور اقتدار میں عوامی بھلائی کے چند کار آمد منصوبوں کا آغاز تو ضرور کیا ' لیکن ساتھ ہی انہوں نے شروع ہی سے سنگین غلطیوں کا آغاز بھی کر دیا۔

اسلامی جمہوری اتحاد کے نام ' اور اس کے منشور کی بنیاد پر مینڈیٹ لے کر انہوں نے اقتدار سنبھالا ' لیکن اقتدار سنبھالتے ہی انہوں نے ' بار بار سمجھانے کے باوجود ' اتحاد کی بساط لپیٹ دی ' اپنے حلیفوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی ' اور اتحاد کے منشور کو پس پشت ڈال دیا۔ جس شریعت بل کو پاس کرنے کے وعدے وہ انتخابی جلسوں میں بہانگ دہل کرتے اب اس کو انہوں نے پاس کیا تو مسخ شدہ صورت میں۔ قرآن و سنت کی بالادستی کی جس دستوری ترمیم کا مژدہ سنا کر وہ عمرہ کے سفر پر روانہ ہوئے ' اسے روز روشن دیکھنا نصیب نہ ہوا ' نہ اس کا ذکر پھر کبھی ان کے لبوں پر آیا۔ سود کو کورٹ نے خلاف شریعت قرار دیا ' تو ان کی حکومت سود کے حق میں مہم چلاتی رہی ' اپیل کرنے عدالت میں گئی ' اور سودی نظام کو فروغ دیتی رہی۔ ان کے وزراء جب تک اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف بولتے رہے ' ان کے دل میں کوئی خلش پیدا نہ ہوئی ' لیکن جیسے ہی وہ ان کے خلاف ہوئے ' انہوں نے ان کی گرفتاری کا حکم صادر کر دیا۔ قومی اعتبار سے اہم ترین فیصلے اور ساری قانون سازی وہ اس اسمبلی سے بالا بالا کرتے رہے جس کے لیے وہ آج آنسو بہا رہے ہیں۔ اس اسمبلی کے لیے ان کے پاس وقت نہ ہوتا تھا ' اور سینیٹ کے لیے تو وہ ڈھائی سال میں مشکل سے صرف دو دن نکال سکے۔ کابینہ کو اعتماد میں لینا ان کی روش نہ تھی۔ چند افراد پر مشتمل ایک کچن کابینہ ہی اصل کرتا دھرتا تھی ' اور اس کے ارکان بھی وزیراعظم سے شاکی رہتے تھے۔ بڑے بڑے اقتصادی منصوبے قواعد و ضوابط کو نظرانداز کر کے بالا بالا منظور کیے جاتے رہے۔ نج کاری کے عمل پر شک و شبہ اور سنگین الزامات کا گہرا غبار چھایا رہا۔ اپوزیشن کے خلاف بھی نازیبا الفاظ استعمال کرنے سے انہوں نے گریز نہ کیا۔

الغرض ' انہوں نے اپنے کسی عمل سے دستوری و جمہوری اداروں اور عمل کو مستحکم نہیں کیا۔ اور بالاخر وہ اپنی ان عاجلانہ ' بلا جواز ' اور غیر حکیمانہ تدابیر کا خود ہی شکار ہو گئے ' جو وہ اختیارات کلی حاصل کرنے کی طلب میں ' برسر اقتدار آنے کے بعد ہی سے اختیار کر رہے تھے ' اور جن کا ایک مظہران کا مجوزہ بارھویں دستوری ترمیم بل تھا۔

جماعت اسلامی کا ابتدا سے یہ موقف رہا ہے کہ ملک کے حکمرانوں کا عزل و نصب بالغ مسلمان عوام کی رائے دہی سے ہونا چاہیے۔ ملک میں جمہوری نظام کو قائم اور مستحکم ہونا چاہیے ' جمہوری اداروں کو کام کرنے کا پورا موقع ملنا چاہیے۔ یہ مغربی جمہوریت نہیں ' ہمارے دین و ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ موجودہ اسمبلیوں کے بارہ میں بھی ہماری پالیسی یہی تھی کہ ان موجودہ اسمبلیوں کو اپنی انتخابی مدت مکمل کرنے کا موقع ملنا چاہیے ' لیکن اس کا دارومدار ہماری خواہش سے زیادہ تو خود حکمرانوں کے طرز عمل پر تھا۔ ہمارے سمجھانے کے باوجود حکمرانوں کے مابین محاذ آرائی میں ہر روز اضافہ ہوتا رہا۔ اور آخر کار جس کا اندیشہ تھا وہی ہو کر رہا اور قومی اسمبلی توڑ کر وفاقی کابینہ کو برطرف کر دیا گیا۔

ہم کہتے ہیں کہ جمہوریت کی گاڑی کے بار بار پٹڑی سے اترنے کی ذمہ داری سے جناب صدر ' وزیراعظم ' حکومت اور اپوزیشن کوئی بھی خود کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا۔ حالات سخت تشویش ناک صورت اختیار کر گئے ہیں۔ ملک ایک دلدل میں پھنس گیا ہے۔ اس بات کا پورا اندیشہ ہے کہ بیرونی اور اندرونی سازشوں کے نتیجہ میں ملک کو واپس ۱۹۵۸ میں پہنچا دیا جائے ' اور دستور کی بساط لپیٹ دی جائے۔ تمام محب وطن عناصر کا یہ فرض ہے کہ وہ اس آڑے وقت میں رہنمائی کا فریضہ انجام دیں اور ملک و ملت کو اس آزمائش سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

برطرف کی جانے والی حکومت کے ارکان کا فرض ہے کہ وہ اپنی شکایات کے ازالہ کے لیے آئینی اور جمہوری طریقوں پر عمل کریں ' اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جو ملک کو موجودہ بحران سے زیادہ کسی اور سنگین تر بحران میں مبتلا کر دے۔ شکایات کے ازالہ کا مناسب ترین حل یہی ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کے فیصلے کا انتظار کیا جائے اور جو فیصلہ بھی ہو ' اسے قبول کیا جائے۔

اگر عدالتی فیصلے کے نتیجے میں اسمبلی بحال نہ ہو ' تو پھر ہماری نظر میں ملک کا مفاد اسی میں ہے کہ دستور کی متعین کی ہوئی نوے دن کی مدت کے اندر آزادانہ 'منصفانہ ' اور غیرجانبدارانہ انتخابات کرائے جائیں۔ اگر کسی حیلے یا بہانے سے اس مدت میں توسیع کی سازش کی گئی یا انتخابات کے عمل میں رکاوٹ کھڑی کی گئی تو یہ ملک کے ساتھ شدید ترین دشمنی کے مترادف ہو گی۔

اس مقصد کے لیے یہ بالکل ناگزیر ہے کہ نگران حکومتیں ایسے سپریم کورٹ اور ہائیکورٹ کے ریٹائرڈ ججوں اور غیر سیاسی ماہرین پر مشتمل ہوں جو جماعتی وفاداریوں سے بالا تر ہوں اور انتخابات کو حقیقی معنوں میں منصفانہ اور غیر جانبدارانہ بنا سکیں۔ ان افراد کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ الیکشن

میں حصہ نہ لیں۔

جماعت اسلامی پاکستان کا موقف ہمیشہ یہ رہا ہے کہ ملک کے سیاسی مسائل کے حل کا واحد راستہ وہی ہے جو دستور اور آئین کے مطابق ہو۔ جس ملک نے بھی سیاسی مسائل کے حل کے لیے فوجی مداخلت اور مارشل لا کا سہارا لیا ہے وہ تباہی سے دوچار ہوا ہے ' اور ہم خود تین بار یہ خطرناک تجربہ کر چکے ہیں۔ ہم اپنی محب وطن فوج اور اس کی قیادت سے یہی توقع کرتے ہیں کہ وہ دستور کی حفاظت اور اطاعت کرے گی ' اور ہر اس ترغیب یا تحریک کا مقابلہ کرے گی جس کا مقصد فوج کو سیاست کے خاردار میں الجھانا ہو۔

آخر میں ہم ملک کے عوام سے مخلصانہ اپیل کرتے ہیں کہ اب وقت آگیا ہے کہ اپنے مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنے ' استحصال پسند حکمرانوں سے نجات پانے اور پاکستان میں حقیقی معنوں میں اسلامی نظام نافذ کرنے کے لیے اپنی عملی جدوجہد تیز کر دیں۔ جماعت اسلامی آزمائش کی اس گھڑی میں الگ تھلگ رہنے کے بجائے اپنی بھرپور کوشش کرے گی کہ وہ قوم کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے۔ ہمیں توقع ہے کہ ان بد دیانت ' بد عہد ' اور وعدہ فراموش افراد اور ان سیاسی اجارہ داروں کے بجائے ' جو اب تک سیاست پر چھائے رہے ہیں ' اب خاموش رائے دہندگان کی اکثریت اٹھے گی اور پورے ملک میں اپنی نمائندگی کا فریضہ ان ہاتھوں میں سونپے گی جو خدا ترس ' محب وطن اور مخلص ہوں۔ یہی وہ واحد طریقہ ہے جس کے ذریعے اس دلدل سے نکل کر ہم ترقی ' خوشحالی ' امن و امان اور روشن مستقبل کی جانب پیش قدمی کر سکتے ہیں۔

ترجمان القرآن کا یہ شمارہ حج کی مناسبت سے ایک خصوصی اشاعت کے طور پر تیار کیا گیا تھا۔ پاکستان کی سیاسی صورت حال کا ناگزیر تقاضا تھا کہ اشارات اسی مسئلہ پر قلم بند کیے جائیں۔ اب ہم ان تمام قارئین سے جو حج کی سعادت حاصل کرنے جا رہے ہیں یہ درخواست کریں گے کہ وہ اس مبارک موقع پر قبولیت دعا کے اوقات و مقامات میں وطن عزیز کے تحفظ اور امن و سلامتی ' یہاں احکام الٰہی کے جاری ہونے اور خوشحالی و ترقی کے لیے ضرور بالضرور دعا کریں۔

حکمت مودودی کے تحت ' مناسک حج کے بارہ میں مولانا مودودیؒ کا ایک بڑا ایمان افروز اور بصیرت انگیز مضمون شامل اشاعت ہے۔ یہ ایک خطبہ ہے جو انہوں نے حرم شریف میں ہی دیا تھا۔ " رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج وداع " کے عنوان سے آپؐ کے حج کا بیان احادیث و سیر کی کتب سے مرتب کر کے شامل کیا گیا ہے۔ راقم الحروف امید رکھتا ہے کہ اس

مضمون کے ذریعہ بہت سے حاجی ' اور وہ بھی جو حج نہیں کر رہے ' اپنے چند لمحات حضورؐ کی صحبت بابرکت میں گزارنے کی سعادت حاصل کرلیں گے۔ گزشتہ سال حج کے موقع پر شائع ہونے والے امام غزالیؒ کے افادات ' سفرحج کو لقاء رب کی یاد تازہ کرنے کا موثر ذریعہ بنانے میں مدد دیں گے۔

ترجمان کے شمارہ جون ۱۹۹۲ء کے تحت اشارات بھی اپنی افادیت کے پیش نظر " تسلیم و رضا کا اسوۂ کامل " کے عنوان سے دوبارہ شائع کیے جا رہے ہیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے ' جو ایک صاحب دل و دماغ اہل علم تھے ' مدینہ سے مکہ تک کے سفر کی روداد لکھی ہے ' جو اپنے تاثرات اور امت کے حالیہ مسائل کی بنا پر آج بھی تر و تازہ اور افادیت کی حامل ہے ' اسے "راہ انبیاءؑ پر سفر شوق" کے عنوان سے شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ رضی الاسلام ندوی کا مقالہ "حج کی نبوی اصلاحات" بھی مفید معلومات پر مشتمل ہے۔

ہم نے یہ شمارہ اس توقع سے مرتب کیا ہے کہ جو قارئین حج پر جا رہے ہیں ' اور جو نہیں جا رہے ہیں ' لیکن تمنائے دل کے ذریعہ سے شریک سفر ہیں ' سب اس خصوصی اشاعت سے فائدہ اٹھائیں گے ' اور ہمیں اس بات کا لالچ ہے کہ اگر اس طرح ان کی کیفیت اور اجر میں اضافہ ہو گا ' تو ہم بھی ' ان کے اجر میں کسی کمی کے بغیر ' اس اجر میں شریک ہو سکیں گے۔

انسان کو مختلف اشیاء و املاک پر جو اختیارات حاصل ہیں ان کا دائرہ انتہائی تنگ ہے۔ جو کچھ چاہتا ہے وہ نہیں کرسکتا' جو کچھ ہوجاتا ہے اسے برداشت کرنا پڑتا ہے۔ قدم قدم پر اس کی کم علمی و کم مائیگی اس کی خواہشات و مقاصد کے آگے رکاوٹ بن جاتی ہے۔ ہر ہر مرحلے پر تقدیر اور فطری قوتوں کے آگے بے بس ہوجاتا ہے۔ جب اسے ترقی و خوشحالی ملتی ہے تو تمام عوامل کو نظر انداز کرکے محض اسے اپنی چالاکی' مہارت اور علم کی طرف منسوب کرکے اترانا شروع کردیتا ہے اور اگر کبھی نقصان سے دوچار ہوتا ہے تو اپنے نصیب کو پیٹتا ہے اور دوسروں کو ذمہ دار قرار دیکر مایوسی کے گرداب میں پھنس جاتا ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ○

(سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۸۳)

انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اسے نعمت عطا کرتے ہیں تو اینٹھتا اور پیٹھ موڑ لیتا ہے اور جب ذرا مصیبت سے دوچار ہوتا ہے تو مایوس ہونے لگتا ہے۔

مال و املاک کے حصول و تصرف پر اسے زیادہ سے زیادہ اتنا اختیار ہے کہ غلط طریقے اختیار کرنا چاہے تو اس بارے میں آزاد ہے لیکن اس آزادی کا بے جا استعمال آخرت میں اس کے لیے مستقل خسران کا باعث تو ہے ہی' اس دنیا میں بھی اس کے لیے خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ کبھی اس کی ذات اور معاشی مفادات براہ راست اس کی زد میں آجاتے ہیں اور کبھی اس سے پورے معاشی نظام میں خلل واقع ہوتا ہے۔ کبھی دونوں نقصانات بیک وقت نمودار ہوتے ہیں' اس طرح گویا خود وہی اسی شجر کو آگ لگانے کے کھیل میں شریک ہوتا ہے' جس پر اس کا اپنا نشیمن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم خواہ انفس و آفاق پر غور کریں یا عقلی و نقلی استدلال کی راہ اختیار کریں' کسی طرح بھی انسان کی غیر مشروط اور لامحدود ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ اس لیے ملکیت کے بارے میں عہدِ جدید کے تمام مادی و لادینی تصورات غیر منطقی' ناقص اور بے بنیاد ہیں۔ ان پر مبنی کوئی معاشی نظام بھی سائنٹفک' حقیقت پسندانہ' متوازن اور مستحکم نہیں ہوسکتا' سالہا سال کے تجربات نے عصری نظاموں کے نقائص و ناکامیوں کو بالکل واضح کردیا ہے۔ ان نظاموں نے کائنات کے مالکِ مطلق کو تصورِ ملکیت سے الگ کردیا ہے اور اس کے احکام و فرامین بالکل نظرانداز کرکے انسان کے مالکانہ حقوق کو تاریخ' فطرت' رواج اور ضرورت کے مطابق طے کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ چاروں چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں ہر فرد اور ہر قوم کی الگ الگ تعبیر و توجیہہ ہے' جنہیں زمان و مکان کی مسافتیں بھی تبدیل کرتی رہتی ہیں' اس لیے یہ دنیا کے تمام انسانوں

کے لیے حق و صداقت کا منصفانہ، مشترک اور مستقل معیار و پیمانہ نہیں بن سکتیں، نہ تو انہیں سب کا اعتماد حاصل ہوسکتا ہے اور نہ ہی تقدس و غیرجانبداری کا مقام، یہی وجہ ہے کہ افراد و اقوام کے مسائل اور باہمی دعوؤں اور جھگڑوں کو ان کے ذریعے آج تک حل نہیں کیا جاسکا۔

ملکیت کے بارے میں لادینی تصورات اس کی نوعیت و ماہیت اور حدود و مقاصد کے تعین کے بارے میں ہماری کوئی مدد نہیں کرتے، یہ اسے اغراض کے اعتبار سے حیوانی سطح تک لاکر اس کے اخلاقی جواز کو ختم کردیتے ہیں۔ اگرچہ مالک کے اختیارات کو بعض قوانین کے ذریعے محدود و مقید کرنے کی کوشش کی جاتی ہے مگر یہ قوانین بنانے والے بھی انسان ہوتے ہیں اور نافذ کرنے والے بھی انسان، ظاہر ہے کہ وہ اپنی کم علمیوں، کج فہمیوں، طبقہ وارانہ سوچوں، اور تعصبات و جانبداری سے مبرّا نہیں ہوسکتے، اس لیے یہ قوانین ظلم و استحصال کا خاتمہ نہیں کرسکتے، بسا اوقات ان کے ذریعے معاشی بگاڑ و فساد میں اور زیادہ اضافہ ہوجاتا ہے۔ وہ کسی ایک خرابی کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں تو دس اور خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اساسی تصور ہی کے غلط ہونے کی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ ملکیت کی آزادی پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام ہو یا اس کے مکمل خاتمے پر استوار اشتراکی نظام، یا اس کی حد بندیوں کا علمبردار فسطائی نظام، تینوں نتائج کے اعتبار سے یکساں ہیں، تینوں زندگی کا مادی تصور رکھتے ہیں اور ملکیت کے اعلیٰ و ارفع اغراض و مقاصد سے عاری ہیں، تینوں حرص، ہوس، لالچ، خودغرضی، مفاد پرستی اور ناجائز نفع اندوزی کے جراثیم کو وسیع پیمانے پر جسدِ معیشت میں داخل کرکے اسے سرطان زدہ کردیتے ہیں، تینوں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم، معاشی تفاوت اور معاشی بحرانوں کا باعث بنتے ہیں، تینوں دنیا کے اسباب و وسائل کو محض چند ہاتھوں اور طبقوں میں موتکز کرکے عوام الناس کو غلامی و محرومی کے شکنجوں میں جکڑ دیتے ہیں اور انسانوں پر انسانوں کی حاکمیت کا تخت بچھا دیتے ہیں۔ اسی طرح عالمی سطح پر ان کی کارکردگی ظلم، استحصال، خونریزی، کشمکش، اجارہ داری، بے اصولی، غنڈہ گردی اور دھونس و دھاندلی سے عبارت ہے۔

الغرض، انسان کے تمام انفرادی و اجتماعی مسائل و مشکلات کا واحد حل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت کے تصور کو صدقِ دل سے تسلیم کیا جائے اور پورے معاشی نظام کو اسی کے سانچوں میں ڈھالا جائے۔ اس کی عملی صورت یہ ہے کہ تمام اموال و املاک پر انسان کے مالکانہ حقوق وفرائض اور اختیارات و ذمہ داریوں کو بطور خلیفہ متعین کیا جائے نہ کہ بطور آزاد و خود مختار۔ اسے اپنی تمام معاشی سرگرمیوں کو مالکِ حقیقی کے احکام و فرامین کے مطابق اختیار کرنے کا پابند بنایا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے نظام کو خاص انداز میں عظیم تر حکمت و مقاصد کے تحت چلانے' معاشی جدوجہد کو رواں دواں رکھنے اور اس میں انسان کی دلچسپی کو بڑھانے اور سرگرمی سے شریک کرنے' معاشی معاملات کو بگاڑ و فساد سے بچانے اور لوگوں کو باہمی جھگڑوں سے محفوظ کرنے' اور انہیں آزمانے کے لیے حقِ ملکیت کو تسلیم کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے اور بھی بے شمار مصالح وابستہ ہیں۔ لیکن اسے یہ حق کسی چیز کی ذات پر ہرگز حاصل نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق صرف اس سے متعلقہ فوائد سے ہے۔ گویا اسلام کی رو سے حقِ ملکیت سے مراد "حقِ استفادہ و انتفاع" ہے۔ ہر چیز کی ذات کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان اپنے جسم کا مالک ہے۔ مگر اس طرح کہ اس کی قوتوں' صلاحیتوں' توانائیوں اور اس کے تمام اعضاء سے استفادہ بھی کرسکتا ہے اور انہیں استعمال بھی کرسکتا ہے۔ لیکن انہیں جان بوجھ کر ختم نہیں کرسکتا' یہی وجہ ہے کہ خودکشی ممنوع ہے۔ علیٰ ہذا القیاس انسان کو اپنی اولاد کو قتل کرنے اور اپنے اموال و املاک کو ضائع کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے کیونکہ ان کا حقیقتاً مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

فقہائے اسلام نے اپنے اپنے الفاظ و انداز میں حقِ ملکیت کی تعریفیں کی ہیں اور اسی تصور کو اجاگر کیا ہے مثلاً علامہ ابن نجیم (متوفی ۹۷۰ھ) کے مطابق

"ملکیت تصرف کرسکنے کا اختیار ہے جس کا منبع شارع کا اذن ہے' الا یہ کہ کوئی مانع موجود ہو۔"[۱]

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے اسے نقل کرنے کے بعد بالکل بجا کہا ہے کہ اس تعریف کی رُو سے ضروری ہے کہ ملکیت کا حصول شرعی طور پر ہوا ہو' وہی حقوق و اختیارات معتبر ہیں جو مالک کو شریعت نے عطا کیے ہوں' کیونکہ حقِ ملکیت کا اصل منبع شارع کا اذن ہے۔ یہ بات کہ کوئی ملکیت شارع کے صریح اذن یا خاموش تائید کے بغیر ثابت نہیں ہوتی' فقہائے اسلام کے درمیان ایک متفق علیہ اصول ہے۔[۲]

اسلام کا یہ اساسی تصور' ملکیت کے اغراض و مقاصد اور نتائج و ثمرات کو بدل ڈالتا ہے اور ان تمام خرابیوں کا قلع قمع کردیتا ہے جو اس کے غلط فلسفے کی کوکھ سے جنم لیتی ہیں اور پھر مال و دولت کے حصول و صرف' استعمال و انتقال اور تقسیم و تبدل کے غلط اور غیر منصفانہ طریقِ کار کی راہ میں حائل ہوجاتا ہے۔ یہ تصور جزوی و کلی معاشیات کے تمام دائروں میں اعلیٰ اخلاقی و روحانی اصول و اقدار کو جاری و ساری کرکے ہر طرح کے ظلم و استحصال کا خاتمہ کردیتا ہے اور تمام انسانوں کو حدود و قیود کا پابند کرکے ایک دوسرے کے حقوق و مفادات کا احترام کرنے اور پورے

بقیہ بر صفحہ ۵۷

رسائل و مسائل

حضرت سارہؑ اور حضرت ہاجرہؑ کا قصہ

کتاب " حسن وجمال کا منظر " کے صفحہ ۲۲ کا پیراگراف ۲ ملاحظہ فرمائیں جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بی بی سارہ کا ذکر ہے۔ بی بی سارہؓ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ بی بی ہاجرہؑ اور اس کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس کی نظر سے دور رکھیں۔ کیونکہ میں یعنی سارہؑ بی بی ' ان کو دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ قرآن حکیم میں' میں نے جہاں تک پڑھا ہے ' یہ ہے کہ نبی یا رسول' اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ لیکن درج بالا کتاب کے صفحہ ۲۲ پر جو کچھ لکھا ہے اس کے ساتھ میں اتفاق نہیں کرتا۔ براہ مہربانی قرآن شریف کی روشنی میں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔

آپ نے " حسن جمال کا منظر " نامی کتاب کے حوالے سے حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے اہل بیت کا جو واقعہ نقل کیا ہے اسے میں نے بھی بعض کتابوں میں پڑھا ہے۔ مجھے بھی اس پر وہی اشکال محسوس ہوا جو آپ کو ہوا ہے۔ اس بارے میں اوّلین امر جو میرے نزدیک قابلِ ذکر ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس طرح کا واقعہ مذکور نہیں ہے اور جہاں تک مجھے علم ہے کسی حدیث صحیح میں بھی اس طرح کا واقعہ بیان نہیں ہوا۔ بخاری شریف کتاب الانبیاء میں بعض روایات ہیں مگر وہ احادیث مرفوع نہیں جن کی سند متصلاً " نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو۔ حضرت ابن عباسؓ کے بعض اقوال ہیں مگر وہ بھی بہت مجمل و مبہم ہیں جن کا مطلب و مدعا بآسانی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ . قال مما کان بین ابراہیم و بین اھلہ ما کان خرج اسماعیل وام اسماعیل و معھم شنۃ فیھا ماء . . . . حتی قدم مکۃ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ' جب حضرت ابراہیمؑ اور ان کے اہل کے مابین پیش آیا جو کچھ کہ پیش آیا' تو حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ ماجدہ ہاجرہؑ نکل پڑے اور ان کے پاس ایک پانی بھرا مشکیزہ تھا.... یہاں تک کہ وہ مکہ معظمہ جا پہنچے....

اس روایت میں صراحت نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان گھر والوں کے درمیان کیا غیر معمولی واقعہ رونما ہوا۔ جو ماں بیٹے کے گھر سے نکلنے کا باعث بنا۔ شارحین نے اس کی جو تفصیل بیان کی ہے وہ یہ کہ حضرت سارہؑ کے سن رسیدہ ہونے کے باوجود اس وقت تک اولاد نہ ہوئی اور حضرت ہاجرہؑ کو اللہ نے بیٹا اسماعیلؑ عطا فرمایا تو اس پر حضرت سارہؑ کو غیرت لاحق ہوئی اور انہوں نے قسم کھالی کہ وہ ہاجرہؑ کے اعضاء چھید دیں گی۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت سارہؑ نے حضرت ہاجرہؑ کے گھر سے اخراج کا مطالبہ کیا۔ لیکن شرعاً" و عقلاً" ایسے اقوال و آثار کیسے قابل حجت ہو سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ بتقاضائے بشریت و نسوانیت' ایک بیوی کی گود ہری ہونے پر دوسری بیوی کے دل میں رشک و رقابت کا جذبہ پیدا ہو جائے ' لیکن اسے گھر سے نکال دینے ' اس کی صورت نہ دیکھ سکنے کا خیال حضرت ابراہیمؑ کے گھر والوں کے ذہن میں کیسے سما سکتا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کا اس مطالبے پر حضرت ہاجرہؑ کو گھر سے نکال لے جانا کیسے قابل تصور ہو سکتا ہے جبکہ حضرت موصوف کا اسوۂ حسنہ تو یہ ہے کہ اپنے صاحبزادے اسماعیلؑ کی ایک اہلیہ نے جب اپنے گزر اوقات کی تنگی کی شکایت حضرت ابراہیمؑ سے کی تو انہوں نے حضرت اسماعیلؑ کو اپنی بیوی کے بدل دینے کی ہدایت فرمائی اور یہ واقعہ بھی اسی کتاب الانبیاء میں مروی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کی صفت **اَوَّاهٌ حَلِيم** بیان فرمائی گئی ہے۔

پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ منقولہ بالا روایت سے پہلے حضرت ابن عباسؓ سے دوسری روایت یہ ہے:

قال ابن عباس اول من اتخذ النساء المنطق من قبل ام اسماعیل ' اتخذت منطقا لتعفی اثرها علی سارہ ثم جاء بها ابراہیم وبابنها اسماعیل حتی وضعهما عندالبیت۔

عورتوں میں کمربند باندھنے کا رواج سب سے پہلے حضرت اسماعیلؑ کی والدہ ہاجرہؑ سے شروع ہوا ' انہوں نے اپنے پاؤں کے نشان مٹانے کے لیے اس کمربند کو استعمال کیا تاکہ حضرت سارہؑ نقش پا سے کھوج نہ لگا سکیں۔ پھر حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؑ اور ان کے فرزند حضرت اسماعیلؑ کو لے چلے اور بیت اللہ کے پاس انہوں نے چھوڑ دیا۔

فتح الباری میں اس قصے کی توجیہہ یہی بیان ہے کہ جب حضرت ہاجرہؑ کے بیٹا ہوا تو حضرت

سارہؑ کو غیرت آئی۔ تب حضرت ہاجرہؑ نے اپنا کمر بند کس لیا " **وہربت وجرت ذیلھا لتخفی اثرھا علی سارہ** " (حضرت ہاجرہؑ بھاگ نکلیں اور اپنا دامن گھسیٹتی گئیں تاکہ ان کے نقوش قدم حضرت سارہؑ سے مخفی رہیں۔) بہرکیف اس ساری کہانی کا نہ سر ہے نہ پیر ہے ' نہ معلوم یہ کیسے ہمارے ہاں راہ پاگئی۔

قرآن مجید اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ ہاجرہؑ کا گھر سے لے چلنا اور بیت اللہ کے پاس بے آب و گیاہ وادی میں ان ماں بیٹے کو بٹھا دینا اللہ رب العالمین کے حکم کے تحت ' اسی کی رضا کی خاطر تھا۔ سورہ ابراہیم آیت ۳۷ میں ان کی دعا منقول ہے :

> اے ہمارے رب میں نے اپنے اہل وعیال کو اس وادی غیر زرع میں ' تیرے گھر کے جوار میں لا بسایا ہے تاکہ یہ نماز قائم کریں۔

روایت مذکورہ بالا میں بھی ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ واپس جانے لگے تو حضرت ہاجرہؑ نے ان سے کہا کہ آپ اس وادی میں ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں ' یہاں کوئی انسان حیوان نہیں۔ پھر حضرت ہاجرہؑ نے کہا :

" **اللہ الذی امرک بھذا ؟** "

(کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے ؟)

" **قَالَ نَعَمْ** " (حضرت ابراہیم نے جواب دیا ' ہاں) تو حضرت ہاجرہؑ نے کہا " پھر اللہ ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا "۔ ان تصریحات قطعیہ کے ساتھ حضرت ہاجرہؑ کے بھاگنے بھگانے اور اپنے نقوش و آثار مٹانے کی داستان کیسے میل کھا سکتی ہے۔ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت سارہؑ کا قصہ دراصل بائبل کتاب پیدائش میں مذکور ہے۔ وہاں الفاظ یہ ہیں :

> سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا ' جو اسے حضرت ابراہیمؑ سے ہوا تھا ' ٹھٹھے مارتا ہے۔ تب اس نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ اس لونڈی اور اس کے بیٹے کو نکال دے۔

معلوم ہوتا ہے یہیں سے یہ قصہ ہمارے ہاں نقل ہوا ہے ' مگر اس کی حقیقت جو کچھ ہے میں نے واضح کر دی ہے۔

(ملک غلام علی)

مطبوعات

دستہ گل : از فاضل عثمانی۔ مقام اشاعت ۲۹۱ ' اے بلاک ' گلی ۶ شیر شاہ کالونی ' کراچی نمبر ۲۸ ۔
سفید کاغذ ہے۔ ۱۲۸ صفحات ' ٹائیٹل آرٹ کور بہت ہی خوشنما ' قیمت ۲۸ روپے۔

نعت کا یہ دس پندرہ سال سے پھیلا ہوا دور ' میرے لیے یوں باعث مسرت ہے کہ میرے جریدے ماہنامہ سیارہ نے ۱۹۶۲ء سے اس کی تشکیل میں حصہ لیا ہے۔ ہم نے اس وقت نعتیں شائع کیں جب ادبی پرچے تو کانوں پر ہاتھ رکھتے تھے اور آج میں دیکھتا ہوں کہ کمیونسٹوں کے رسالوں میں بھی حمد و نعت کے صفحات ہوتے ہیں۔ **اَنَّا نَاتِیِ الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا** (آیت میں تحریک اسلام کے مخالفین مکہ سے کہا گیا تھا کہ ہم تمہارے علاقے کی طرف اس کے گردوپیش کے رقبے اور فاصلے قطع کرتے ہوئے بڑھ رہے ہیں۔)

فاضل عثمانی کو میں نے محبت سے پڑھا ' کیونکہ محسوس کیا کہ ان کے دل میں حضورؐ پاک کے لیے خلوص و محبت کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔

شعرو شاعری میں تو بات نہیں کر سکتا ' البتہ ایک بات میں نے یہ نوٹ کی کہ فاضل عثمانی نے بحروں کا انتخاب اور قافیہ و ردیف کا تعین خوبصورتی سے کیا ہے۔ یہ شاعر کے لیے اچھے مستقبل کی علامت ہے۔

پہلی نعت خاص طور پر مجھے پرکشش محسوس ہوئی کہ حضورؐ کے جسمانی پیکر سے بلند تر چیزوں کو لیا گیا ہے اور رسمیت کی پروا نہیں کی گئی۔

ایک مطلع ہے ۔

صبح خنداں ہوئی ' شام تاباں ہوئی آپ سے رونق بزم امکاں ہوئی

دو تین شعر۔

نہ تھی قید کچھ کشت زرخیزی تک ۔ کہ بنجر زمینوں پہ مینہ ان کا برسا
ادھر ان کی گفتار معجز نما تھی ۔ ادھر ان کا کردار تھا حیرت افزا
مدینے میں بکھرا ہوا ہر طرف ہے ۔ تیرے خلق کا فیضِ عام اللہ ' اللہ

آخر میں خلفائے راشدین کی شان میں منقبتیں بھی ہیں۔ یعنی تھوڑی سی جھلک وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ میں سے سرکردہ اکابر کی۔

کہیں کہیں جوشِ اظہار و جذبۂ بے تاب کے وفور سے بحر میں خلل رہ گیا ہے' بعض جگہ تلفظ کا معاملہ ہے' ممکن ہے کہ عاجلانہ کتابت سے ایسے تسامحات رہ گئے ہوں۔ مگر شاعری' خصوصاً نعت کی کتابت و طباعت اور خود مسودوں کی نظرثانی نہایت ضروری ہے۔

(ن ۔ ص)

میزانِ اقبال : پروفیسر مرزا محمد منور ڈائریکٹر اقبال اکیڈیمی (پاکستان) ۱۳۹۔ اے نیو مسلم ٹاؤن لاہور۔ ناشر : خود مرزا صاحب موصوف۔ سفید دبیز کاغذ۔ ۲۳۲ صفات کی کتاب' مجلد مع سادہ ' رنگین گرد پوش۔ قیمت ۵۵ روپے۔

اس میں کیا شک ہے کہ مرزا منور مدرسۂ اقبالیات کے بہت پرانے طالب علم ہیں' آغاز ۱۲' ۱۳ برس کی عمر میں ہوا' اور پھر پورے تعلیمی دور فرائض میں بھی ایک طرف حکیم الامت سے استفادہ کرتے رہے اور دوسری طرف اس سیلِ معانی کو جُو کی طرح باریک تر بنا کر نوجوان طلبہ کے ذہنوں کی آبیاری کرتے رہے۔ کیا معلوم مرزا محمد منور صاحب کی محنتوں کے نتیجے میں اقبال شناسی کے کتنے ہی چلتے پھرتے چمنستان ہر طرف پھیلے ہونگے۔ پھر تقاریر ہوں یا تحریریں' اقبال کے نظریہ خودی اور اقبال کے مرد مومن اور اقبال کے تصورِ شاہین کا پس منظر رکھتی ہیں۔

میزانِ اقبال کا اصل مبحث یہ ہے کہ یہ شاعر حکمت و صداقت جزوی حقائق و اشیاء میں کسی ایک طرف نہیں لڑھک جاتا بلکہ کلیت کے مقام پر اپنی دوربین شعور نصب کیے کائنات وحیات کی مجموعی یا توحیدی حقیقت کا مطالعہ کرتا اور پھر اس کا درس بذریعہ شعر ساری انسانیت کو دیتا ہے۔ اقبال کے اس شعر کو اگر فرسودہ تصور وحدت الوجود میں نہ ڈبو دیا جائے تو یہ وحدت وجود کا نہیں بلکہ وحدت نظم وجود کا آئینہ دار ہے۔

حقیقت ایک ہے' ہر شے کی نوری ہو کہ ناری ہو ۔ لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

یعنی تمام کے تمام موجودات جن قوانین میں بندھے ہوئے ہیں' مثلاً وجود' عروج' زوال اور فنا' یا گردش' کشش' مزاحمت' حرکت' روشنی' حرارت' تاریکی' یا فطرت کے خراد پر ان کا ایک خاص طرح کا چھل چھلا کر تکمیل پانا اور رتبۂ جمال تک پہنچنا' قانونِ نشوونما' ہر وجود اور حرکت کے لیے مقصد و غایت کا تعین' اور جمادات' نباتات حیوانات اور خصوصاً انسان کے لیے داخلی نظامِ دفاع اور خارجی آلات و قوائے دفاع ' یہ چیزیں گواہ ہیں کہ ساری کائنات ایک نظامِ قانون کے تابع ہے' اس قانون کا ایک ہی مقنن ہے اور ہم سب ایک ہی خاندانِ مخلوق کے افراد ہیں۔

ماہمہ یک دودمانِ نارونور آدم و مہر و مہ و جبریل وحور

اسی حقیقت کو اپنے انداز سے نمایاں کرنے کے لیے محترم محمد منور صاحب نے علامہ اقبال کی شاعری میں " توازن کے پہلو کو کتاب کے مرکزی مضمون کی حیثیت سے لیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک ایسا جادۂ فکر اپنے لئے چنا ہے جس کی کمی کا پورا ہونا ضروری ہے۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ہر شے آئین تناسب و توازن کی پابند ہے۔ "...... توازن و تناسب فقط جسمانی ڈھانچے ہی کے لیے ضروری نہیں' تخیل و فکر کے لیے بھی ضروری ہے۔ "

تشریحاً" بیان کرتے ہیں کہ (علامہ اقبال) " جمہوریت کی اچھی باتوں کے قائل ہیں' مگر جب وہ استعماری روپ دھارتی ہے یا دو صد مغز خر کے شمار ہی کو معیار دانش قرار دیتی ہے تو وہ اسے معاف نہیں کرتے۔ وہ اشتراکیت کی اچھی باتوں کی تعریف کرتے ہیں مگر اسکی خداشناشی اور احترام روح آدمیت سے نا آگاہی پر سخت نکتہ چینی کرتے ہیں... ان کا یہاں آزادی افکار کو تقلید اور تقلید کو آزادئ افکار درکار ہے۔ " فارسی کے دو شعر لکھے ہیں :

از کلیمے سبق آموز کہ دانائے فرنگ جگرِ بحر شگافیدوبہ سینانہ رسید

اقبال کی فکری و فنی وسعتِ نظر کا سبب ان کی وسعتِ مطالعہ تھا۔

ابوالاثر حفیظ جالندھری کا جملہ بہت اچھا ترجمانِ فن ہے علامہ کا کہ " اقبال پتھر کی بھاری چٹانیں اٹھالاتے ہیں مگر موتیوں کی طرح جڑ دیتے ہیں۔ "

پروفیسر منور صاحب نے اقبال کے مردِ مومن کے متعلق ضربِ کلیم کے چار اشعار پیش کر کے بتایا ہے کہ انسانی شخصیت کے توازن کے کیا تقاضے اقبال کے سامنے ہیں۔ یہی ضرورت قرطبہ کے مردان حق کے تذکرے کی ہے جو صرف ایک شعر میں کیا گیا ہے۔

اس موضوع پر بڑی تفصیلی بحث ہے اور ہر سطر کو زیرِ توجہ لانے کا شوق بھی' مگر مجبوری! دوسری قیمتی بحث پہلے مقالے میں ہے' یعنی کلام اقبال پر عربی ادب کے اثرات' مرزا صاحب

کا عربی میں خاصا وسیع مطالعہ ہے، خصوصاً شعروادب اور تاریخ میں۔ سو وہی اقبال کو پڑھتے ہوئے یہ جان سکتے تھے کہ اقبال کی شاعری کی نبض میں عربیت کا کیا اثر ہے۔ عربی کے اشعار اور آیات کا جو اثر کلام اقبال میں ہے، اسے واضح کرنے کے لیے مرزا صاحب نے ایک طرف عربی اشعار اور اصطلاحات کی روشنی میں دکھایا ہے کہ کہاں کہاں اقبال کی فارسی یا اردو شاعری کے پردے میں عربی بول رہی۔ اسی طرح اقبال کا کلام سامنے رکھ کر دکھایا ہے کہ اس میں حجازی لے کا ہونا کن علامات سے ثابت ہے۔ فاضل مقدمہ نگار ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم نے بھی اس باب پر توجہ صرف کی، اور کہا کہ کسی بھی زبان میں ہو (فارسی یا اردو) اقبال کے مطالب کی روح ہمیشہ عربی رہی۔ وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ عربی شاعری میں اور عربی سے متاثر ہونے والی شاعری میں ضعف، مسکینی اور نسائیت کبھی نہیں آئی، اور پھر اقبال کا یہ کہنا کہ لَے تو حجازی ہے مری، اس کے دو مفہوم ہیں: ایک یہ کہ کلام میں اسلامی روح شامل ہے، اور نوا کے اندر چھپی ہوئی عربیت بھی!

ڈاکٹر سید عبداللہ کے اس خلاصہ کلام سے زیادہ بہتر تبصرہ ہمارے بس میں نہیں ہے۔

تیسرا باب بھی بہت اہم ہے۔ کلام اقبال میں عجم کا مفہوم۔ بڑی جامع بحث اور ضروری افکار اور اقتباسات ہیں۔ اس طرح علامہ اقبال کی اردو غزل اور علامہ اقبال کی نظم نگاری، علامہ اقبال کا شعری آہنگ اور ضرب کلیم جیسی بحثوں کو گفتگو میں لائے بغیر آگے گزر جانا بہت تکلیف دہ ہے۔ مگر جو تکلیفیں مقدر ہیں سو بسرو چشم

علامہ اقبال کو جوش ملیح آبادی کی نظروں کے واسطے سے دکھانا ایک فنی موضوع ہونے کے لحاظ سے تو برا نہیں، مگر جوش نہ اس طرز فکر کا شاعر ہے اور نہ اس سطح کا کہ اسے اقبال کے ساتھ بٹھایا جائے۔ ویسے جو کاوش پروفیسر صاحب نے کی وہ بجائے خود اہم ہے۔ البتہ ابوالاثر حفیظ جالندھری کو حضورِ اقبال میں دکھانا اس بنا پر درست ہے کہ حفیظ چاہے کیسی کیسی پگڈنڈیوں پر گزرتے رہے ہوں، بالآخر اس کی شاعری کا وزن فکری لحاظ سے اسی پلڑے میں پہنچا جو اقبال کے نام سے موسوم تھا۔ علامہ اقبال کے بعد جو بیسیوں شاعر اس کے نقوش قدم پر چلنے والے تھے ان میں مولینا ماہر القادری، احسان دانش اور ابوالاثر حفیظ جالندھری کا مرتبہ خاصا بلند ہے۔

کتاب کے آخر میں اشاریہ ہے، پہلے اسماء الرجال کا، پھر کتب و رسائل کا، پھر اماکن کا، پھر اصطلاحات کا۔

"اقبالیات" کے لٹریچر میں یہ کتاب ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ (ن - ص)

مناسکِ حج کی حکمتیں

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ہر عبادت کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن۔ ظاہر سے مراد وہ عملی شکل ہے جو کسی عبادت کو ادا کرنے کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ اور باطن سے مراد وہ معنی ہیں جو اس عملی شکل میں مُضمر ہوتے ہیں اور جن کے اظہار کی خاطر عمل کی وہ شکل مقرر کی جاتی ہے۔

ایسا ہی معاملہ حج کا ہے۔ اس کو ادا کرنے کا جو طریقہ مقرر کیا گیا ہے اس پر آپ خواہ سمجھ کر عمل کریں یا بے سمجھے بوجھے' بہرحال جب آپ شارعؑ کے مقرر کردہ مناسک ادا کریں گے تو حج ادا ہو جائے گا' اور فرض سے یقیناً" آپ سبکدوش ہو جائیں گے۔ لیکن حج کی اس ظاہری شکل کے ہر ہر جز میں جو معنی پوشیدہ ہیں ان کو بھی اگر آپ اچھی طرح سمجھ لیں اور حج کے اعمال انجام دیتے وقت ہر عمل کی غرض و غایت کی طرف بھی متوجہ ہوں' تو اس سے مقصدِ حج کی تکمیل ہو جائے گی اور آپ حج کے فوائد سے پوری طرح متمتع ہوں گے۔ اسی غرض کے لیے آج میں آپ کے سامنے حج کے اعمال میں سے ایک ایک عمل کے معنی سیدھے سادھے اور مختصر طریقے سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

اِحرام

اعمالِ حج میں سب سے پہلا عمل اِحرام ہے۔ باہر سے آنے والا کوئی حاجی میقات سے اس وقت تک نہیں گزر سکتا جب تک وہ اپنا لباس اتار کر احرام نہ باندھ لے' اور اسی طرح مکّہ معظمہ سے حج کی نیت کرنے والے کو بھی سب سے پہلے لباس تبدیل کر کے احرام باندھنا ہوتا ہے۔ یہ ایک انتہائی فقیرانہ لباس ہے جس میں آدمی بس ایک تہمد باندھ لیتا ہے' ایک چادر کندھوں پر ڈال لیتا ہے' اور سر ننگا رکھتا ہے۔ یہ اس عمل کی ظاہری صورت ہے۔ مگر غور سے دیکھیے کہ اس ذرا سے فعل میں کتنے گہرے معنی پوشیدہ ہیں۔

رحمتِ یزداں : از جناب طفیل ہوشیارپوری مرحوم۔ ناشر: صادق علی صادق' ملنے کا پتہ احسان اکیڈمی' شیخ بلڈنگ' رائل پارک لاہور۔ آرٹ پیپر پر کتاب کی طباعت دو رنگوں میں۔ سنہری ڈائی کے ساتھ مضبوط جلد' ہدیہ فی جلد ۱۵۰ روپیہ

ابھی چند ہفتے قبل اسی سال جناب طفیل ہوشیارپوری اپنی "محفل" ادب (رسالے کا نام محفل تھا) اور قدر شناسوں کو چھوڑ چھاڑ کر مادی دنیا کی سرحدوں سے باہر چلے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مرحوم نہ صرف عمر بھر ادب کی خدمت میں مصروف رہے اور بڑی پاکیزہ شاعری کی بلکہ علی الخصوص نعت کہنا' نعت کہلوانا اور نعت چھاپنا انہیں بہت مرغوب تھا۔ یہ بزرگ شخصیت مشاعروں میں شریک ہوتی تو نہایت بلند آہنگی اور لے کی کیفیت ایسی ہوتی کہ شاعر اس میں خود بھی بہ جاتا اور محفل کو بھی بہا لیتا۔

طفیل مرحوم کی شخصیت اور شاعری و صحیفہ نگاری کا وزن لادینیت پسندوں کے خلاف خدا پرستی اور محبت اور رسالتؐ کے پلڑے میں جاتا۔

پیش لفظ مسٹر جسٹس میاں محمود احمد چیف جسٹس پنجاب ہائی کورٹ کا لکھا ہوا ہے۔ پھر طفیل ہوشیار پوری کی نعت نگاری کے متعلق جناب احمد ندیم قاسمی کا مختصر تاثر ہے' پھر ہمارے کرمفرمائے خاص جناب ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے جناب طفیل کی نعت نگاری کا اچھا جائزہ لیا ہے۔

طفیل صاحب بڑے کامل الفن آدمی تھے۔ بقول ڈاکٹر صاحب طفیل نے بھی غزلیہ لب و لہجے اور طویل نظموں کے تجربات میں اپنی اصل آواز ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے خالص عشقیہ لَے میں رومانی رویوں کا بھی خوب تر اظہار کیا ہے۔ وطنی نظموں میں حب وطن کی داستان رقم کی ہے۔ ان کے گیت' ان کے ذوق موسیقی اور ہندی دانی کے امتزاج کا مظہر ہیں۔ گیت کے سانچے میں ایک نعت کا بول ۔

آمنہ کے لالنا

جانے تیرا دوار کب ہو گا میرے بھاگ میں
سایہ کالی کملی کا کملی پہ ڈالنا
آمنہ کے لالنا

آخر کار اپنی ذات کا کشف ان پر نعت ہی کے کلام میں ہوا۔

طفیل بتاتے ہیں کہ "علامہ اقبال، مولینا ظفر علی خاں، حسرت موہانی اور بیدم وارثی کے کلام نے میرے ذوق و شوق کی تربیت کی اور پھر دل میں یہ جذبہ زور پر آگیا کہ

"زندگی مدح پیمبرؐ میں بسر ہو یا رب"

نعت کی ہی برکت سے طفیل ہوشیار پوری کو جنرل ضیاء الحق شہید کے دور میں عمرہ کرنے کی سعادت ملی۔ نوید، اظہر عباس ہاشمی نے سنائی، نیز اس سفر مبارک میں کلیم عثمانی آپ کے ہمراہ تھے۔ محمد خاں کلیم اور مقبول سرمد نے اس مجموعہ نعت کی ترتیب خاص میں حصہ لیا۔

چند اشعار۔

سمجھا تجھے تو نکلا رگ جان سے بھی قریب — دیکھا تجھے تو دور ہے حد شعور سے (حمد)

کن کے لباس میں جو لب حق پہ آ گئی — اس سرسری سی بات کا باعث تمہیں تو ہو

(نعت)

جنھوں نے مصطفیٰ کے اسوۂ حسنہ کو اپنایا — انہی کے ہاتھ آیا عظمت کردار کا دامن

عشق کی دولت بیدار عطا کر مولیٰ — کہیں ڈس لیں نہ خرد کے یہ اجالے مجھ کو

باطل کے خداؤں کو صداقت کے مقابل — ہوتی نہ کبھی مات، اگر آپؐ نہ آتے

نظروں پہ چھا نہ جائے زمانے کی تیرگی — تھوڑی سے روشنی، مری سرکارؐ چاہیے

بہت جاندار شاعری ہے۔ نعت نے اسے نسبت ادا کر دی ہے، کاغذ اور دو رنگا بلاک پرنٹنگ نے اسے نظر نواز بنا دیا ہے۔ اہل ذوق استفادہ کریں۔

(ن ۔ ص)

انوار اولیاء اللہ : مولفہ : پروفیسر سعید اختر۔ ناشر: محمد یوسف، مجید بک ڈپو، اردو بازار، لاہور۔ اسٹاکسٹ : المنشورات بک ڈپو، منصورہ، ملتان روڈ لاہور۔ بڑے سائز کے ۲۴۰ صفحات۔ کاغذ سفید، سرورق دبیز آرٹ کارڈ۔ قیمت ۴۸ روپے۔

نظامِ خلافتِ راشدہ ایک ایسا بندھن تھا جس نے دین کے تمام شعبوں کو یکجا و یک آہنگ کر کے ایک عظیم الشان تہذیب خدا پرستانہ اخلاقی قدروں کی بنیادوں پر استوار کی اور لمبے دور انحطاط و افتراق کے باوجود اس تہذیب کے نقوش، اس کی انوار اور اس کے اقدار دنیا کے بعید ترین گوشوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر خلافت راشدہ کا بندھن جب ٹوٹا تو ایک طرف دین وسیاست میں علیحدگی واقع ہوئی، عقلی علوم اور تصوف کے دھارے الگ ہوگئے اور ترک دنیا اور

دنیا پرستی کے دو رجحان' بالکل نمایاں ہو کر سامنے آگئے۔ وہ سب عواملِ فلاح جو ایک ہی نسخہ سے تیار شدہ محلول و مشروب کے اندر حل تھے' بعض خوفناک تخریبی فتنوں کی وجہ سے نسخۂ شفا کے تمام اجزا الگ الگ ہو گئے اور کوئی نہ رہا جو دوبارہ ان کو ایک ساغر میں جمع کر دے۔

سو یہ دین کے اندر (تقسیم کاری نہیں) بلکہ تفرقہ انگیزی کی ایک ایسی تاریخی مجبوری تھی کہ دوسرے شعبوں کی طرح تزکیۂ نفوس کا جو پروگرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا وہ اپنی اصل سے کٹ کر نئی شکلوں میں تصوف کے عنوان سے پروان چڑھا۔ تصوف میں اسلامی جزوِ حقیقت صرف اتنا ہے کہ آدمی کا نفس اور قلب ان مفاسد سے پاک ہو جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دور کیا اور اس کام کے لیے طریقے بھی مقرر کیے۔ لیکن بعد میں تزکیۂ نفس کی جگہ تصوف کا عنوان تجویز کیا گیا اور اس کی ایک شاخ نے اپنی اصطلاحِ طریقت کو شریعت کے تابع رکھا۔ وحدت الوجود کے بجائے سیدھی طرح توحید کو اختیار کیا۔ انفاق کی اور خدمت کی اسپرٹ لوگوں میں پیدا کی' ان کو دنیا پرستی سے روکا جس کے نتیجے میں اکثر لوگ غلو کی وجہ سے ترک دنیا اور ترک دولت کی راہ پر چلے نکلے اور انہوں نے سیاست و جہاد اور علوم و اجتہاد کے تمام دروازے بند کر دیئے۔ کچھ دوسرے لوگوں نے نئی اصطلاحات کے ساتھ' تصور شیخ' چلہ کشی' اعتکاف اور اجتماعی ذکر جہر اور جنت کے حصول سے بے نیازی اور ذات احدیت میں گم ہو جانے اور کاملا" فنا ہو جانے کو منتہائے بنو شاد ولایت سمجھا۔

یہ تو خود ایک مضمون ہے اسے چھوڑ کر ہم پروفیسر سعید اختر صاحب کو اس کوشش پر داد دیتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی کریمؐ اور خلفائے راشدین اور بہت سے قدما اور بیسیوں متاخرین کی تحریروں اور ملفوظات سے ایک ایک دو دو جملے ایسے لکھے ہیں جو بڑی افادیت رکھتے ہیں۔ نیز یہ امر خاص توجہ طلب ہے کہ ان کے منتخب "اولیاء" حضرات کے ہاں توحید اور پابندی شریعت کی تاکید پائی جاتی ہے۔ خصوصاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ کے بعض عقیدت مند ان پر بدعتوں کی بوچھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ توحید اور جہاد کا درس دینے والا درویش مقبول ایسا کوئی کم ہی ہوا ہو گا۔

(ن - ص)

اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ حج شروع کرنے سے پہلے ہمارے وہ سارے لفافے اتروا دینا چاہتا ہے جو ہم نے اپنے اوپر ڈال رکھے ہیں، جن کے اندر ہم میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو اپنی اصل حقیقت سے کچھ نہ کچھ زائد بنا رکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم بندے ہو اور بندے سے بڑھ کر کچھ نہیں ہو۔ لہٰذا میرے دربار میں حاضر ہونا چاہتے ہو تو صرف بندے بن کر آؤ۔ تم کہیں کے بادشاہ یا صدر مملکت ہو تو ہوا کرو۔ کوئی جنرل ہو ' وزیر ہو' رئیس ہو' یا جو کچھ بھی ہو' ہوتے رہو۔ میرے حضور میں تمہیں اپنی یہ ساری حیثیتیں ختم کر کے صرف ایک بندے کی حیثیت سے آنا ہو گا۔ اس طرح احرام کا یہ لباس ہر انسان کو بندگی کے مقام پر لا کر کھڑا کر دیتا ہے' اس کی ہر شانِ امتیاز مٹا دیتا ہے' اور ایک بڑے سے بڑے شخص کو بھی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی سطح پر لے آتا ہے۔ آپ حالتِ احرام میں حاجیوں کے کسی مجمع پر نگاہ ڈال کر دیکھیں تو آپ کو کسی طرح یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ ان میں کون اونچا اور کون نیچا ہے' کون امیر اور کون غریب ہے' کون حاکم اور کون محکوم ہے۔ اللہ کے دربار میں سب ایک ہی طرح کے فقیر نظر آئیں گے۔

اونچ نیچ برابر کرنے کے ساتھ یہ احرام مسلمانوں کے درمیان تمام قومی' نسلی اور وطنی امتیازات بھی ختم کر دیتا ہے۔ اسلام کے ماننے والے دنیا کے ہر حصے سے چل کر آتے ہیں۔ مشرق' مغرب' شمال' جنوب' ہر طرف سے ملک ملک کے لوگ طرح طرح کے لباس پہنے ہوئے اپنے گھروں سے چلتے ہیں۔ مگر جونہی کہ وہ مرکزِ اسلام سے ایک خاص فاصلے پر پہنچتے ہیں' ان کو یکایک میقات کی سرحد پر روک کر ان کے تمام قومی لباس اتروا دیئے جاتے ہیں اور سب کو ایک ہی طرح کا لباس پہنا دیا جاتا ہے تاکہ خداوندِ عالم کے دربار میں جب وہ حاضر ہوں تو انسان اور مسلمان کے سوا اور کچھ نہ ہوں۔ مسلمانوں کے اندر ملّتِ واحدہ ہونے کا احساس پیدا کرنے کی اس سے زیادہ کارگر تدبیر شاید ہی کوئی دوسری ہو سکے۔ آپ کے سامنے لاکھوں حاجیوں کا ایک سیلِ رواں ہوتا ہے جس میں سینکڑوں قومیتوں کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ گزر رہے ہوتے ہیں۔ مگر یہ احرام کی برکت ہے کہ ہر دیکھنے والی نگاہ ان کو ایک ملت اور ایک ہی قوم کی حیثیت سے دیکھتی ہے' اور ان کے سارے وطنی و نسلی امتیازات دب کر رہ جاتے ہیں۔

پھر یہ احرام آدمی کو حیوانیت سے دور اور ملائکہ کے مقام سے قریب کر دیتا ہے۔ اس حالت میں وہ کوئی جوں تک نہیں مار سکتا۔ کوئی بال تک نہیں اکھاڑ سکتا۔ کسی جانور کا شکار خود کرنا تو درکنار دوسرے کو کسی قسم کی مدد بھی شکار میں نہیں دے سکتا۔ اپنے جسم کی زینت و آرائش بھی اس کے لیے جائز

نہیں رہتی۔ اس کی اپنی بیوی بھی اس کے لیے حرام ہو جاتی ہے جو عام حالات میں اس کے لیے حلال ہے، حتیٰ کہ وہ اس کی طرف کسی شہوانی میلان تک کا اظہار نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے فحش گوئی، بدکلامی، لڑائی جھگڑا، سب کچھ ممنوع ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے خادم کو بھی ڈانٹنے کا مجاز نہیں رہتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ احرام باندھتے ہی وہ اللہ کا فقیر بن گیا، اور اس نے تمام خواہشاتِ نفس کو تیاگ دیا۔ اب دنیا کی ہر چیز کو اس کی طرف سے امن و سلامتی کا پیغام ہے۔ اب کسی کو اس سے ضرر کا اندیشہ نہیں۔ اب وہ کسی کے لیے بھی جبّار و قہّار اور ظالم نہیں رہا۔ اب وہ دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش ہونے اور کبریائی کا ہر شائبہ اپنے نفس سے نکال دینے کے بعد بس ایک بندۂ عاجز ہے جو اپنے خدا کے حضور اپنی نیازمندی پیش کرنے کے لیے جا رہا ہے۔

حضرات! یہ ہے احرام کی اصل روح۔ آپ جب غسل کرنے یا وضو کر کے احرام باندھتے ہیں اور ان قواعد کی پابندی کرتے ہیں جو حالت احرام کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، تو اس سے عمل کی صرف ظاہری شکل قائم ہوتی ہے۔ یہ شکل بناتے ہوئے اگر آپ کا ذہن اس تصور سے خالی ہو کہ یہ شکل آپ نے کیوں بنائی ہے تو یہ گویا ایک جسم ہو گا جس میں جان نہ ہو۔ جان اس میں اسی وقت پڑے گی جب آپ پورے شعور اور ارادے کے ساتھ اپنے اندر وہ باطنی کیفیات بھی پیدا کر لیں جو درحقیقت احرام سے مقصود ہیں۔ قانون کی نگاہ میں تو ہر شخص مُحرِم ہے جس نے احرام کی پابندیوں میں سے کسی کو نہ توڑا ہو۔ مگر خدا کی نگاہ میں اصل مُحرِم وہی ہے جو احرام باندھتے ہی فی الواقع ایک فقیر اور ایک بندۂ عاجز بن کر رہ گیا ہو، جس نے اپنے دماغ سے کبریائی کی ہوا نکال دی ہو، جس نے قومی و نسلی تعصبات کو بھی اپنے ذہن سے نکال باہر کیا ہو، جو خلقِ خدا کے لیے سراپا رحم اور خیر مجسم بن گیا ہو، اور جس نے حیات دنیا کی زینتوں سے منہ موڑ کر کم از کم یہ چند دن تو صرف اپنے رب سے لو لگانے کے لیے خاص کر لیے ہوں۔

تلبیہ

احرام باندھنے کی بعد آپ تلبیہ شروع کر دیتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

لَبَّیکَ اَللّٰھُمَّ لبیک، لبیکَ لَا شَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیکَ لَکَ۔

"میں حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، یقیناً" ساری تعریف تیرے ہی لیے ہے، سارے احسانات تیرے ہی ہیں،

بادشاہی سراسر تیری ہے' تیرا کوئی شریک نہیں۔"

ان الفاظ پر غور کیجیے۔ ان کے اندر خود یہ معنی پوشیدہ ہیں کہ غلام کو اس کے آقا نے طلب کیا ہے' اور غلام اس کے جواب میں لبیک لبیک کہتا ہوا' اور اپنے مالک کی تعریف کے گن گاتا ہوا دوڑا چلا جا رہا ہے۔ بیت اللہ کی طرف طلبی ہوئی' اس نے عرض کیا میں حاضر۔ عرفات بلایا گیا' اس نے کہا میں حاضر۔ مزدلفہ طلب کیا گیا' اس نے کہا میں حاضر۔ منیٰ طلب کیا گیا' اس نے کہا میں حاضر۔ اس ساری دوڑ دھوپ کے دوران میں یہ الفاظ آپ زبان سے کہتے رہیں تو قانون کا تقاضا پورا ہو جائے گا۔ مگر اس تلبیہ کی اصل روح یہ ہے کہ ان الفاظ کو زبان سے ادا کرتے ہوئے اپنے دل کی گہرائیوں میں فی الواقع آپ یہ محسوس کریں کہ آپ اللہ کے بندے اور غلام ہیں' اس کی طرف سے آپ کی طلبی ہوئی ہے' اور جہاں جہاں حاضر ہونے کی طلبی ہوتی جا رہی ہے وہاں آپ لبیک لبیک کہتے ہوئے دوڑے چلے جا رہے ہیں' اس لبیک میں ایک نشہ ہے جو لازماً" ہر بندۂ حق پر طاری ہو جائے گا جسے یہ احساس ہو کر خداوند عالم کی طرف سے اس جیسی ناچیز ہستی کی طلبی ہو رہی ہے۔ ؎

یہ نصیب ؟ اللہ اکبر' لوٹنے کی جائے ہے

حَرم کی حاضری

باہر سے آنے والے ہر حاجی کی فطری خواہش یہ ہوتی ہے' اور یہی اس کو کرنا بھی چاہیے کہ مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد جلدی سے جلدی حرم میں حاضر ہو۔ پھر جب وہ حرم میں داخل ہوتا ہے اور بیت اللہ پر اس کی نظر پڑتی ہے تو اس کے دل پر ایک ہیبت طاری ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے جلال کا کرشمہ ہے' اور اس کا دل بے اختیار خانہ کعبہ کی طرف کھنچتا ہے جو اللہ جل شانہ کی محبت کا فطری تقاضا ہے۔ اس موقع پر اسے دل اور زبان سے اللہ اکبر' **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر** کہنا چاہیے اور پورے شعور کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہیے :

اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَعْظِیْمًا" وَ تَشْرِیْفًا" وَ تَکْرِیْمًا" وَ مَھَابَۃً" وَ بِرًّا"

" خدایا' اس گھر کو زیادہ سے زیادہ عظمت و شرف اور بزرگی اور دبدبہ عطا فرما' اور اسے زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا مرکز بنا دے۔ "

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ' وَمِنْکَ السَّلَامُ' فَحَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ

" خدایا تو خود ہر عیب و نقص سے پاک ہے' اور عیوب و آفات سے سلامتی جس کو بھی

نصیب ہوتی ہے تیری ہی طرف سے نصیب ہوتی ہے' لہٰذا اے پروردگار' ہمیں جسم و روح کی سلامتی کے ساتھ جینے کی توفیق عطا فرما۔"

ضروری نہیں ہے کہ یہ دعائیں آپ عربی زبان ہی میں مانگیں۔ اصل چیز ان الفاظ کو زبان سے ادا کرنا نہیں ہے' بلکہ اس مضمون کی دعا اللہ سے مانگنا ہے جو ان فقروں میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ کو عربی الفاظ یاد کرنے اور پڑھنے میں دقت ہو تو آپ اسی مضمون کی دعا اپنی زبان میں بھی مانگ سکتے ہیں۔

طواف

حرم میں پہنچنے کے بعد ہر حاجی کو طواف کرنا ہوتا ہے۔ اگر احرام باندھتے وقت اس نے تمتع یا قِراں کی نیت کی ہو تو وہ عمرے کا طواف کرتا ہے' قِران تمتع یہ ہے کہ آدمی عمرہ کرکے اِحرام کھول لے اور پھر حج کا وقت آنے پر نئے سرے سے اِحرام باندھے۔ اور قِران یہ ہے کہ آدمی ایک ہی اِحرام میں عمرہ اور حج دونوں کرے۔ اور اگر اِفراد (یعنی صرف حج) کی نیت کی ہو تو طوافِ قدوم کرتا ہے' پھر یوم النحر کو اسے طوافِ افاضہ اور مکّہ چھوڑتے وقت طوافِ وداع بھی کرنا ہوتا ہے۔ اور ان ضروری طوافوں کے علاوہ بھی ایک ایسی نفلی عبادت ہے جس کا موقع باہر سے آنے والوں کو صرف زمانۂ قیامِ مکّہ ہی میں نصیب ہوسکتا ہے' اس لیے اس موقع سے جتنا بھی فائدہ اٹھایا جاسکے اٹھانا چاہیے۔

یہ طواف کیا ہے ؟ یہ انسان کے اس فطری جذبے کا اظہار ہے کہ جس ہستی کو وہ اپنا منعم و محسن سمجھتا ہے اور اپنا معبود مانتا ہے اس پر اپنے آپ کو فدا کرے' اس کے گرد گھومے اور صدقے اور قربان ہو۔ اللہ تعالیٰ بذات خود اس سے بالاتر ہے کہ ہم اسے پاسکیں اور اس کے گرد گھوم سکیں۔ اس نے ہمارے اس جذبے کی تسکین کے لیے اس خانہ کعبہ کو اپنا گھر قرار دیا ہے' اور ہمیں ہدایت کی ہے کہ مجھ پر فدا ہونے کی جو خواہش تمہارے دل میں ہے اسے میرے اس گھر کا طواف کر کے پورا کرلو۔ پس جب آپ اس گھر کا طواف کریں تو عشق کے جذبے سے سرشار ہو کر اس طرح طواف کیجیے جیسے ایک عاشق اپنے محبوب حقیقی کے صدقے ہو رہا ہے۔

ہر طواف کی ابتدا حجرِاسود کے بوسے یا اِستلام سے ہوتی ہے۔ یہ درحقیقت ایک پتھر کا بوسہ نہیں ہے بلکہ محبوب کے سنگِ آستاں کا بوسہ ہے۔

اسی طرح طواف اور مقام ابراہیمؑ کی دو رکعتوں سے فارغ ہونے کے بعد مُلتزَم سے چمٹ کر جو دعائیں مانگی جاتی ہیں وہ بھی یہی سمجھتے ہوئے مانگنی چاہیں کہ یہ ہمارے مالک کے گھر کی چوکھٹ

ہے۔ مالک خود تو اس سے بالا تر ہے کہ ہم اس کا دامن تھام سکیں۔ ہماری نارسائی پر ترس کھا کر اس نے یہ گھر ہمارے لیے بنا دیا ہے تاکہ اس کے دامن سے لپٹ کر اپنی آرزوئیں پیش کرنے کی جو تمنا ہمارے دل میں ہے اسے ہم اس کے گھر کی چوکھٹ سے لپٹ کر پورا کر لیں۔

طواف کے دوران میں پڑھنے کے لیے جو لمبی دعائیں بعض لوگوں نے لکھی ہیں' ان کا یاد کرنا اور پڑھنا کچھ ضروری نہیں ہے۔ اور یہ طریقہ تو بالکل ہی فضول ہے کہ ایک معلم آگے آگے پڑھتا جا رہا ہے اور حاجیوں کی ایک ٹولی کی ٹولی اس کی غلط سلط نقل اتارتی جا رہی ہے۔ طواف کے لیے ان دعاؤں کو شریعت نے ہرگز لازم نہیں کیا ہے' اور نہ اس بے معنی طریقے سے ان کو ادا کرنے کا کوئی فائدہ ہے۔ بس یہ کافی ہے کہ آپ طواف شروع کرتے وقت حجرِ اسود کے سامنے کھڑے ہو کر نماز کی طرح ہاتھ اٹھائیں اور **بِسمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکبَرُ' لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلِلّٰہِ الحَمدُ** کہہ کر طواف شروع کر دیں' پھر دورانِ طواف میں اللہ کا ذکر کرتے چلے جائیں اور اس سے دعا مانگتے جائیں۔ ذکر کے لیے **سُبحَانَ اللّٰہِ' اَلحَمدُ لِلّٰہِ' لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** اور **اَللّٰہُ اَکبَرُ** کے الفاظ کافی ہیں۔ کسی اور چیز کی حاجت نہیں۔ دعا جو کچھ بھی آپ کے دل سے نکلے اور جس زبان میں بھی آپ مانگ سکیں' مانگتے رہیں۔

حجرِ اسود کا بوسہ دینے کے لیے جو ہجوم اور دھکا پیل لوگ کرتے ہیں یہ ایک ناروا فعل ہے' بلکہ اس میں ایک دوسرے کی جو سخت مزاحمت کی جاتی ہے وہ تو حج کو ضائع کرنے والی حرکت ہے۔ خصوصاً عورتوں کا دھکا پیل میں گھسنا تو بالکل ہی ناجائز ہے۔ شریعت نے آپ پر لازم نہیں کیا ہے کہ آپ ضرور حجرِ اسود کو بوسہ ہی دیں۔ یہ کام اگر مزاحمت کے بغیر نہ ہو سکتا ہو تو ہر چکر کے خاتمہ پر حجرِ اسود کے سامنے پہنچ کر اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرنا اور اپنے ہاتھ ہی کو چوم لینا شرعاً بالکل کافی ہے۔

جس طواف کے بعد سعی کرنی ہو اس میں اِضطباع اور رَمل بھی کیا جاتا ہے۔ اِضطباع یہ ہے کہ احرام کی چادر کو سیدھے ہاتھ کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیا جائے اور دایاں شانہ کھلا رکھا جائے۔ اور رَمل یہ ہے کہ پہلے تین طواف شانے ہلا ہلا کر چھوٹے چھوٹے قدم ڈالتے ہوئے ذرا تیزی کے ساتھ کیے جائیں۔ یہ دراصل اس واقعے کی یادگار ہے کہ صلح حدیبیہ کی قرار داد کے مطابق جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مکہ معظمہ تشریف لائے تھے تو کفارِ مکہ نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ مدینے کی آب و ہوا نے مسلمانوں کو کمزور کر دیا ہے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ پہلے تین طوافوں میں اِضطباع اور رَمل کریں تا کہ کفار کے سامنے اہلِ اسلام کی طاقت کا مظاہرہ ہو۔ اسی یادگار کو آج تک باقی رکھا گیا ہے۔ اس

سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ بندے کا اکڑ کر چلنا ویسے تو اللہ کو سخت ناپسند ہے' مگر جب اس کے دشمنوں کے سامنے اسلام کی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے یہ چال اختیار کی جائے تو پھر یہی چال اللہ کو محبوب ہو جاتی ہے۔

مقامِ ابراہیم

طواف سے فارغ ہونے کے بعد آپ مقام ابراہیمؑ پر پہنچتے ہیں اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔ اس مقام پر جو پتھر رکھا ہے وہی پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھائی تھیں۔ پھر اس پر کھڑے ہو کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس ویران و سنسان مقام پر تمام خلق کو حج کے لیے پکارا تھا اور اسی پکار کے جواب میں آپ لبیک لبیک کہتے ہوئے آج یہاں آئے ہیں۔ پہلے یہ پتھر خانہ کعبہ کی دیوار سے متصل رکھا ہوا تھا۔ بعد میں موجودہ مقام پر رکھ دیا گیا۔ اس مقام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اسے نماز کی جگہ بنا لو وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى۔ طواف کعبہ کے بعد یہ دو رکعتیں اسی فرمانِ خداوندی کی تعمیل میں پڑھی جاتی ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی آپ کے علم میں رہنی چاہیے کہ تمام دنیا کے لیے قبلہ مسجدِ حرام ہے' اور مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے والوں کے لیے قبلہ خانہ کعبہ ہے' اور مسجدِ حرام کی نماز باجماعت کے لیے امام کا قبلہ وہ مقام ہے جہاں سے حضرت ابراہیمؑ نے دنیا کو حج کے لیے پکارا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ خود بھی اسی مقام پر کھڑے ہو کر کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے' اور آج بھی حرم کی نماز باجماعت کا امام اسی جگہ کھڑا ہوتا ہے۔

سعی بین الصّفا والمروَہ

مقام ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز ادا کرنے اور 'ملتزم' پر دعا کرنے کے بعد آپ زمزم پر آتے ہیں اور اس کا پانی پیتے ہیں۔ پھر عمرے کی تکمیل کے لیے صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کرتے ہیں۔ یہ سب کام آپ غفلت و بے خبری کے ساتھ نہ کریں' بلکہ اپنے دل میں سوچیں کہ یہ زمزم کیا جگہ ہے جہاں آپ کھڑے ہیں' یہ پانی کیسا ہے جسے آپ پی رہے ہیں' یہ صفا کیسی پہاڑی ہے جس سے آپ سعی کی ابتدا کرتے ہیں' اور یہ سات چکر کیسے ہیں جو آپ صفا اور مروہ کے درمیان لگاتے ہیں۔

حضرات ! ان میں سے ہر مقام اپنی ایک تاریخ رکھتا ہے' اور اس تاریخ کے اندر ایک درسِ عبرت ہے۔ آج بیت اللہ اور زمزم اور مقام ابراہیم علیہ السلام جس جگہ واقع ہیں' یہی وہ

جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی حضرت ہاجرہ' اور اپنے شیرخوار بچے حضرت اسماعیل کو صرف ایک مشکیزہ پانی اور تھیلا کھجوروں کا دے کر بالکل یکہ و تنہا چھوڑ گئے تھے۔ یہاں کوئی پانی نہ تھا۔ کوئی غذا کا سامان نہ تھا۔ دور دور کوئی بستی نہ تھی۔ اور بظاہر یہ دونوں ماں بچے اس سنسان وادی میں قطعی بے سہارا تھے۔ حضرت ابراہیمؑ جب انہیں چھوڑ کر واپس جانے لگے تو حضرت ہاجرہؓ ان کے پیچھے چلیں۔ بار بار پوچھتی تھیں کہ آپ ہمیں کہاں چھوڑے جا رہے ہیں' مگر وہ خاموش چلے جا رہے تھے۔ آخر حضرت ہاجرہؓ نے پوچھا "کیا یہ کام آپ اللہ کے حکم سے کر رہے ہیں ؟" انہوں نے فرمایا ہاں۔ اس پر حضرت ہاجرہؓ نے کہا' اگر یہ بات ہے تو اللہ یقیناً" ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔ پھر وہ پورے اطمینان کے ساتھ اللہ کے بھروسے پر اپنے بچے کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ حضرت ابراہیمؑ جب اس وادی سے نکلنے لگے تو پلٹ کر انہوں نے وادی کی طرف رخ کیا اور اللہ سے دعا مانگی کہ :

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ (ابراہیم ۱۴:۳۷)

"اے پروردگار ! میں نے اپنی نسل کا ایک حصہ ایک بے آب و گیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے قریب لابسایا ہے۔ اے پروردگار' یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ یہاں نماز قائم کریں۔ پس تو ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف کھنچیں' اور ان کو پھلوں سے رزق دے تاکہ یہ شکرگزار ہوں۔"

دیکھیے' کیا شانِ تسلیم و رضا اور کیا شانِ توکل علی اللہ تھی اس شوہر اور باپ کی جس نے اللہ رب العالمین کا اشارہ پاتے ہی اپنی بیوی بچے کو ٹھنڈے دل سے اس بے آب و گیاہ وادی میں لا کر چھوڑ دیا۔ اور کس درجے کا یقین و اعتماد اپنے خدا پر تھا اس خاتون کو جو یہ معلوم ہو جانے کے بعد بالکل مطمئن ہو گئی کہ اسے اور اس کے ننھے بچے کو اللہ کے حکم سے یہاں یکہ و تنہا چھوڑا جا رہا ہے۔

جب پانی اور کھجوروں کا ذخیرہ ختم ہو گیا اور دونوں ماں بچے بھوک پیاس سے تڑپنے لگے' تو حضرت حاجرہؓ اسی زمزم کے مقام پر بچے کو لٹا کر صفا کی پہاڑی پر پہنچیں' تاکہ چاروں طرف نگاہ ڈال کر دیکھیں کہ کہیں کوئی مدد کرنے والا ہے ؟ پھر صفا سے اتر کر مروہ کی طرف دوڑیں' اور اس پر چڑھ کر پھر انہوں نے چاروں طرف دیکھا کہ شاید کوئی مدد کرنے والا نظر آئے۔ اس طرح ان

دونوں پہاڑوں کے درمیاں وہ مسلسل سات دفعہ دوڑیں۔ آخری مرتبہ جب وہ مروہ پر تھیں تو انہوں نے ایک آواز سنی۔ یقین نہ آیا کہ یہ واقعی کسی کی آواز ہے۔ پھر کان لگا کر سنا اور وہی آواز آئی۔ زمزم کی طرف دیکھا جہاں بچے کو لٹا کر گئی تھیں۔ تو ایک شخص نظر آیا جو دراصل اللہ کا فرشتہ تھا۔ اس نے زمین پر پاؤں مارا اور یکایک ایک چشمہ نکل آیا۔ پھر اس نے حضرت ہاجرہؓ سے کہا' اطمینان رکھو' اللہ تمہیں ضائع کرنے والا نہیں ہے' یہاں اللہ کا گھر بننے والا ہے جسے تمہارا یہ لڑکا اور اسکا باپ تعمیر کرے گا۔

حضرات! اسی واقعہ کی یادگار یہ سعی بین الصّفاوَالمروَہ ہے جو آج عمرے اور حج میں کی جاتی ہے۔ حضرت ہاجرہؓ نے صفا سے سعی کی ابتدا کی تھی' اس لیے ہماری سعی بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔ انہوں نے سات چکر لگائے تھے۔ اس لیے ہم بھی سات چکر لگاتے ہیں۔ انہوں نے سعی کے بعد آکر پانی پیا تھا' کیونکہ اس سے پہلے یہاں پانی موجود نہ تھا۔ ہم سعی سے پہلے اللہ تعالیٰ کے معجزے سے پیدا ہونے والا یہ پانی پیتے ہیں کیونکہ اب وہ موجود ہے۔ یہ سارے کام جو حضرت ہاجرہؓ کے اس فعل کی نقل کے طور پر کیے جاتے ہیں' انکی اصل روح یہ ہے کہ ہم اپنے اندر وہی تسلیم و رضا' وہی توکل علی اللہ اور وہی یقین و اعتماد پیدا کرنے کی کوشش کریں جس کا حیرت انگیز مظاہرہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت حاجرہؓ نے کیا تھا۔ ہمیں جب یہ معلوم ہو جائے کہ کسی کام کا حکم اللہ جل شانہ کی طرف سے ہے تو پھر کوئی خطرہ اور کوئی اندیشہ ہمیں اس کی تعمیل سے باز نہ رکھ سکے۔ ہم پورے یقین کے ساتھ اس بھروسے پر چھلانگ لگا دیں کہ جس خدا نے اس ظاہری خطرے میں کود جانے کا ہمیں حکم دیا ہے وہ ہمیں ضائع کرنے والا نہیں ہے۔ ہماری بھلائی اسی کام میں ہے جس کا اس نے حکم دیا ہے۔ یہ درس جس نے بھی یہاں سے حاصل کر لیا وہ آبِ زمزم پینے اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے کے سارے روحانی فوائد لوٹ لے گیا۔

یہ بات بھی جان لیجیے کہ ان مناسک کو ادا کرتے ہوئے بھی اللہ کا ذکر اور اس سے دعا کا سلسلہ برابر جاری رہنا چاہیے۔ آپ زمزم کا پانی پئیں تو اللہ سے دعا کریں کہ :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَسْاَلُکَ رِزْقًا وَاسِعًا" وَعِلْمًا" نَافِعًا وَشِفَاءً مِّنْ کُلِّ دَاءٍ

خدایا' میں تجھ سے فراخ روزی' نفع بخش علم' اور ہر بیماری سے شفا مانگتا ہوں۔

صفا پر چڑھیں تو کعبے کی طرف رخ کر کے کہیں :

اَللّٰہُ اَکْبَرُ' اَللّٰہُ اَکْبَرُ' اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ' اَللّٰہُ اَکْبَرُ عَلٰی مَا ھَدَانَا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی

مَا اَوۡلَانَا' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ' لَهُ الۡمُلۡكُ وَلَهُ الۡحَمۡدُ يُحۡيِىۡ وَيُمِيۡتُ' بِيَدِهِ الۡخَيۡرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ' اَنۡجَزَ وَعۡدَهٗ وَنَصَرَ عَبۡدَهٗ وَهَزَمَ الۡاَحۡزَابَ وَحۡدَهٗ' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعۡبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكَافِرُوۡنَ۔

اللہ سب سے بڑا ہے' اللہ سب سے بڑا ہے' اللہ سب سے بڑا ہے اور اس کے لیے ساری تعریف ہے۔ ہم اللہ کی بڑائی کرتے ہیں اس شکر میں کہ اس نے ہمیں ہدایت بخشی اور اس کی تعریف کرتے ہیں ان احسانات پر جو اس نے ہم پر کیے ہیں۔ اللہ وحدہ' لا شریک کے سوا کوئی معبود نہیں' اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے حمد ہے' وہی جلاتا اور مارتا ہے' اسی کے اختیار میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ کوئی معبود اکیلے اللہ کے سوا نہیں ہے' کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کی اور سارے جتھوں کو اسی اکیلے نے شکست دے دی۔ کوئی معبود اللہ کے سوا نہیں' ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے' خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

یہی کچھ آپ مروہ پر بھی کہیں' اور صفا و مروہ کے درمیان چلتے ہوئے دعا کرتے جائیں کہ:

رَبِّ اغۡفِرۡ وَارۡحَمۡ وَتَجَاوَزۡ عَمَّا تَعۡلَمُ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡاَعَزُّ الۡاَكۡرَمُ۔

اے رب' بخش دے اور رحم کر' ہمارے ان سارے قصوروں سے درگزر فرما جو تیرے علم میں ہیں' تو سب پر غالب اور بڑا کریم ہے۔

حج

آٹھویں ذی الحجہ کی صبح کو تمام حاجی مکہ معظمہ سے حج کے لیے نکلتے ہیں' اور جن لوگوں نے تمتع کرتے ہوئے عمرے کے بعد احرام کھول لیا تھا وہ بھی نئے سرے سے احرام باندھ لیتے ہیں۔ اب اصل حج شروع ہوتا ہے۔ یہ لاکھوں احرام بند حاجی بیک وقت مکے سے چل کر لبیک لبیک کہتے ہوئے ۸/ ذی الحج کو منیٰ جا اترتے ہیں۔ پھر یہی مجمع عظیم ۹/ ذی الحج کی صبح کو یک وقت لبیک لبیک کہتا ہوا چلتا ہے اور حدود حرم سے باہر جا کر عرفات کے میدان میں پڑاؤ ڈال دیتا ہے۔ پھر اسی روز شام کو یہ پورا مجمع اٹھتا ہے اور لبیک لبیک پکارتا ہوا مزدلفہ اترتا ہے۔ پھر دس ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے پہلے پہلے حاجیوں کا یہ سیلاب لبیک کہتا ہوا اٹھتا ہے اور منیٰ واپس پہنچ جاتا ہے۔ پھر یہ سب لوگ لبیک کہتے ہوئے جمرۂ عقبہ کی طرف چلتے ہیں اور اس پر سات کنکریاں مارتے ہیں۔ پھر یہ

لوگ منیٰ میں قربانی کرتے ہیں۔ پھر سب سر کے بال منڈواتے یا ترشواتے ہیں۔ پھر جوق در جوق مکہ معظمہ پہنچ کر طواف اور سعی کرتے ہیں۔ پھر منیٰ واپس ہو کر دو دن یا تین دن قیام کرتے ہیں اور ان ایام میں ہر روز تینوں جمروں پر رمی کرتے ہیں۔ یہی اعمال ہیں جن کا نام حج ہے۔

جو لوگ عبادت کے معنی اور حج کی حقیقت کو نہیں سمجھتے وہ حیران ہو کر سوچنے لگتے ہیں کہ آخر یہ کیسی دوڑ دھوپ ہے جس کے لیے دنیا بھر سے کھینچ کر لاکھوں آدمیوں کو بلایا جاتا ہے؟ اور یہ کیا عبادت ہوئی کہ مکہ سے اٹھے اور منیٰ پہنچ گئے' وہاں سے اٹھے اور عرفات جا ٹھیرے' پھر چلے اور مزدلفہ میں رات گزار دی' پھر منیٰ پہنچے اور وہاں ایک پتھر کو کنکریاں مار دیں؟ لیکن ذرا سمجھنے کی کوشش کریں تو آپ پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ اس ساری دوڑ دھوپ میں جو زحمت آدمی کو پیش آتی ہے' جو تکلیفیں اس کو اٹھانی پڑتی ہیں' جس مشقت اور بے آرامی سے اس کو سابقہ درپیش ہوتا ہے' جس طرح وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بے ٹھکانے ہوتا چلا جاتا ہے' اللہ کی راہ میں یہی سب کچھ برداشت کرنا تو اصل عبادت ہے۔ عمرے میں طواف و سعی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا' کیونکہ وہ فرداً" فرداً" کیا جاتا ہے۔ ایک فرد کے لیے ایک دن عرفات جا ٹھیرنا' ایک رات مزدلفہ میں گزار دینا اور دو چار روز منیٰ میں ٹھیر جانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس لیے عمرہ کرنے والے کو ان کاموں میں سے کوئی کام بھی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ لیکن حج میں لاکھوں آدمیوں کو بیک وقت یہ دوڑ دھوپ کرنی ہوتی ہے جس میں کوئی بڑے سے بڑا صاحب ثروت آدمی بھی زحمتیں اٹھائے اور آسائشوں سے محروم ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حج کی اجتماعی عبادت میں طواف و سعی سے زائد یہ مناسک رکھے گئے ہیں۔ اس سے مقصود ہر بندۂ مومن میں یہ کیفیت پیدا کرنا ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے ہر آسائش سے دستکش ہونے اور اس کی راہ میں ہر زحمت اٹھانے کے لیے تیار ہو جائے۔ یہی اللہ پر ایمان لانے کا تقاضا ہے۔ یہی بندگی کے معنی ہیں۔ اور یہی اس عبادت کی روح ہے۔ اس عبادت کے دوران میں جو شخص ان ساری تکلیفوں کو پورے اطمینان اور قلب و روح کی پوری مسرت کے ساتھ قبول کرتا ہے' اور اپنے ساتھ کے حاجیوں کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں کرتا' بلکہ سخت کشمکش کے مواقع پر بھی صبر و ضبط سے کام لیتا ہے اور خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچاتا ہے' وہ حج کا ثواب لوٹ لیتا ہے۔ اور اس کے برعکس جو شخص اپنی ہر بے آرامی پر چیں بہ جبیں ہوتا ہے' ہر زحمت پر کبیدہ خاطر ہوتا ہے' اور ساتھ کے حاجیوں سے اپنے آرام کی خاطر مزاحمت کرتا اور لڑتا جھگڑتا ہے' وہ حج کے ثواب کو ضائع کر دیتا ہے۔ اس بے چارے کے حصے میں خالص مشقت ہی رہ جاتی ہے' اجر ہوا میں اڑ جاتا ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رکھیے کہ حج کے ان اعمال کو ادا کرتے وقت آپ خواہ کچھ بھی نہ پڑھیں، اور وقت پر نماز ادا کر دینے کے سوا کوئی دوسرا عمل نہ کریں، تب بھی حج پورا ہو جائے گا اور بجائے خود حج کا جو ثواب ہے وہ آپ کو مل جائے گا۔ مگر بدقسمت ہے وہ شخص جسے اللہ سے تقریب حاصل کرنے کا یہ نادر موقع نصیب ہو اور وہ زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ مکہ معظمہ سے نکلنے کے بعد یوم النحر کی پہلی رمی تک بہترین ذکر یہ ہے کہ آدمی زیادہ سے زیادہ لبیک لبیک کہے اور اس شعور کے ساتھ کہے کہ میرا مولیٰ اب منیٰ بلا رہا ہے تو میں حاضر ہوں، اب عرفات بلا رہا ہے تو اس کے لیے بھی حاضر ہوں، اب مُزدَلِفہ بلا رہا ہے تو اس کے لیے بھی حاضر، اور اب رمی کے لیے منیٰ طلب کر رہا ہے تو اس کے لیے بھی حاضر۔ ہر مرتبہ لبیک کہتے ہوئے آپ محسوس کریں کہ رب العالمین کی طرف سے آپ کی طلبی ہو رہی ہے اور آپ اس کے جواب میں کہہ رہے ہیں کہ میں حاضر ہوں۔ اس احساس کے ساتھ جب آپ بار بار لبیک کہیں گے تو انشاء اللہ آپ کے دل میں ذوق و شوق کی وہ کیفیت پیدا ہو گی اور وہ روح اس کے اندر وہ لذت پائے گی جس کے مقابلے میں ہر لذت ہیچ ہو جائے گی۔

تَلبیہ کے علاوہ بیچ بیچ میں کثرت سے اللہ کی حمد اور تکبیر و تہلیل کرتے جایئے۔ کثرت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیے۔ کثرت سے اپنے حق میں، اپنے والدین کے حق میں، اور سب مومنین و مومنات کے حق میں دعائے مغفرت کیجیے۔ اور خاص طور پر وقوفِ عرفہ کے آخری وقت میں، اور قیام مزدلفہ کی رات میں، تو اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کے ذکر اور دعاواستغفار میں صرف کر دیجیے۔ پھر ایامِ تشریق میں منیٰ کے قیام کا زمانہ فضول مشاغل میں نہ ضائع کیجیے، بلکہ اسے خیر اور صلاح کی تبلیغ میں، دنیا بھر سے آئے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ روابط پیدا کرنے میں، اور اعلائے کلمۃُ الحق کی فکر و سعی میں صرف کیجیے تاکہ حج کے روحانی و اخلاقی فوائد کا کوئی پہلو آپ سے چھوٹنے نہ پائے۔

(۳۸۳ اھ کے حج کے دنوں میں ۶ ذی الحجہ کو سید ابوالاعلیٰؒ مودودی نے یہ تقریر حرم شریف میں کی تھی۔)

رسولِ اکرمؐ کے ہمراہ حجِ وداع

مرتبہ : خرم مراد

۲۰ رمضان المبارک ' ۸ ھ ' کو مکّہ مکرمہ فتح ہوا ' اور اواخر ۹ ھ (یا ۱۰ ھ) میں حج کی فرضیت کا حکم نازل ہو گیا۔ اس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیرالحاج بنایا ' اور تین سو صحابہؓ کو ان کے ہمراہ روانہ کیا۔ انہوں نے سب کو حج کرایا۔ ان کے پیچھے پیچھے ' آپؐ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو روانہ کیا ' اور انہوں نے سورۂ توبہ کے احکام کا اعلان کیا۔ بلدامین ' مسجدِ حرام اور بیت اللہ کو کفرو شرک کی تمام آلودگیوں سے پہلے ہی پاک کیا جا چکا تھا ' اب کفار و مشرکین سے ولایت کے سارے علاقے اور معاہدات ختم کر دیے گئے ' اور اعلان کر دیا گیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حرم میں داخل نہ ہونے پائے گا ' نہ کوئی برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کر سکے گا۔

تکمیلِ دین ہو چکی تھی ' اتمامِ نعمت بھی ہو چکا تھا ' وصال کا وقت قریب تھا ' اور اب وقت آ گیا تھا کہ ایک طرف شریعت اور اخلاق کے تمام اصولِ اساسی کا اعلان عام کر دیا جائے ' اور دوسری طرف امت کو صحیح صحیح مناسکِ حج کی تعلیم دے دی جائے ' تاکہ وہ یہ عبادتِ کبریٰ سنتِ ابراہیمی کے مطابق انجام دے سکے۔ چنانچہ فرضیتِ حج نازل ہوئی ' تو رسول اللہؐ بغیر کسی تاخیر کے پہلے ہی سال حج کے لیے کھڑے ہو ئے۔

یہ بات متفقہ ہے کہ آپؐ نے حج اپنے وصال سے تین ماہ قبل ۱۰ ھ میں کیا ' اسی لیے اسے حجِ وداع کہا جاتا ہے۔ اس باب میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ ہجرت کے بعد مدینہ سے ' حجِ وداع کے سوا ' آپؐ نے کوئی حج نہیں کیا۔ ہاں ' جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے دو حج کیے تھے۔ (ترمذی ' ابن ماجہ)

رسول اللہؐ ہجرت کے بعد مکّہ مکرمہ میں پانچ مرتبہ داخل ہوئے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ

آپؐ نے چار مرتبہ عمرہ کیا۔ یہ سب عمرے ' آپؐ نے سوائے ایک کے جو حج کے ساتھ کیا ' ذی القعدہ کے مہینہ میں کیے۔

پہلا عمرہ معاہدہ حدیبیہ کا عمرہ ہے ' جو آپؐ نے ۶ ھ میں کیا۔ مشرکین نے خانہ کعبہ تک جانے سے آپؐ کو روک دیا ' اس لیے آپؐ نے اور صحابہؓ نے حلق کروایا (سرمنڈوایا) ' احرام اتارا ' قربانی کی ' اور مدینہ واپس آ گئے۔

دوسرا عمرہ معاہدۂ صلح حدیبیہ کے مطابق اگلے سال ۷ ھ میں کیا۔ نبی کریمؐ مکہ تشریف لائے ' تین روز قیام فرمایا ' اور عمرہ ادا کر کے واپس ہوئے۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ عمرہ سال گذشتہ کے عمرہ کی قضا تھا ' جب آپؐ کو روک لیا گیا تھا ' یا یہ نیا عمرہ تھا ؟

تیسرا عمرہ آپؐ نے ' حنین سے واپسی کے وقت ' جعرانہ سے احرام باندھ کر کیا۔ یہ عمرہ آپؐ نے رات کو کیا ' اور عمرہ کر کے رات ہی کو جعرانہ واپس آ گئے۔ فتح مکّہ کے موقع پر ' ماہِ رمضان میں آپؐ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوئے ' اور فتح کے بعد حنین چلے گئے۔

چوتھا عمرہ آپؐ نے حج کے ساتھ کیا۔

رجب ' میں بھی آپؐ نے کوئی عمرہ کیا ؟ حضرت عائشہؓ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت قبول نہیں کرتیں۔ ابن قیمؒ بھی اشہر حج میں ان چار عمروں کے علاوہ کسی اور عمرہ کی روایت کو ' رجب میں یا رمضان میں ' راوی کے سہو یا سوءِ فہم پر محمول کرتے ہیں۔

حج کی منادی

حج کی فرضیت کا حکم آتے ہی رسول اللہؐ نے اس کا اعلان شروع کر دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے ہم سے خطاب کیا ' اور فرمایا : " اے لوگو ' تم پر حج فرض کیا گیا ہے ' اس لیے حج کرو۔ "

اقرع بن حابسؓ کھڑے ہو گئے اور پوچھا : " کیا ہر سال ' یا رسول اللہؐ ؟ " آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ انہوں نے اپنا سوال تین مرتبہ دہرایا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا :

" اگر میں کہہ دیتا ' ہاں ' تو ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ پھر یہ تم کر نہ سکتے۔ "

" پھر آپؐ نے فرمایا :

" جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں اور کوئی حکم نہ دوں ' تم بھی مجھ سے نہ پوچھو۔ " تم سے پہلے لوگ کثرت سے سوال پوچھنے اور اپنے انبیاءؑ کے ارشادات کے بارہ میں اختلاف کی وجہ سے تباہ ہو گئے۔ اس لیے جب بھی تمہیں کسی بات کا حکم

دوں ' تو جتنی استطاعت ہو اسے کرو۔ اور جب کسی بات کو منع کر دوں تو اسے چھوڑ دو"۔

پھر فرمایا " حج صرف ایک مرتبہ فرض ہے۔ جو اس سے زائد کرے وہ نفل ہے۔ " (مسلم ' احمد ' نسائی ' دارمی)

ایک شخص نے پوچھا : " یا رسول اللہؐ ' حج کب واجب ہوتا ہے ؟ " فرمایا : " جب زاد اور راحلہ میسر ہو ' یعنی سفر کا خرچ اور اپنے اور اہل وعیال کے لیے کھانے کا انتظام "

حج کی تیاریاں

ذی قعدہ ' ۱۰ھ ' میں اعلان کیا گیا کہ رسول اللہؐ حج کرنے مکّہ مکرمہ تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ خبر دفعتاً" پھیل گئی۔ سب نے تیاریاں شروع کر دیں تاکہ آپؐ کا شرفِ معیت حاصل کریں۔ حوالیٔ مدینہ کے لوگوں کو جب یہ خبر پہنچی تو گروہ در گروہ اس موقعہ کے لیے آنا شروع ہو گئے۔ ادھر سارا عرب بھی شرف ہمرکابی کے لیے امنڈ آیا۔ ہر درجہ اور طبقہ کے لوگ آئے۔ جو شخص آنے کی طاقت رکھتا تھا ' وہ آ گیا۔ ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ رسول اللہؐ کی اقتدا میں حج کرے ' اور آپؐ کی طرح مناسک ادا کرے۔ راستہ میں بھی لوگوں کی جماعتیں ' جو حدوشمار سے خارج تھیں ' ساتھ ہوتی گئیں۔

مدینہ منورہ سے روانگی

ذی قعدہ کی ۲۶ تاریخ تھی ' اور سنیچر کا دن ' جب آپؐ مدینہ منورہ سے حج کے لیے روانہ ہوئے۔ آپؐ نے ظہر کی چار رکعتیں مسجدِ نبویؐ میں پڑھیں ' لوگوں کے سامنے خطبہ دیا ' اور انہیں اِحرام اور اس کے واجبات و سنن کی تعلیم دی۔ پھر آپؐ نے غسل کیا ' تیل ڈالا ' لباس بدلا ' تہمد باندھی ' چادر اوڑھی ' اور ظہر و عصر کے مابین مدینہ سے باہر نکلے۔ ازواج مطہراتؓ بھی ہمرکاب تھیں ' اور دیگر عورتیں اور بچے بھی ساتھ تھے۔

ذوالحلیفہ میں اِحرام

مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے ' جو مدینہ کے حاجیوں کے لیے میقات ہے۔ یہاں پہنچ کر آپؐ نے پڑاؤ کیا ' عصر کی دو رکعتیں پڑھیں ' اور رات یہیں گزاری۔ ' یہاں آپ نے پانچ نمازیں پڑھیں ' عصر ' مغرب ' عشاء ' فجر ' اور ظہر۔

دوسرے دن ظہر سے قبل آپؐ نے دوبارہ غسل کیا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے ہاتھ سے آپؐ

کے جسم مبارک میں عطر ملا۔ اس خوشبو میں مشک تھا۔ فرماتی ہیں، گویا کہ میں اب بھی آپؐ کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں، اور آپؐ احرام باندھے ہوئے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

اس کے بعد آپؐ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ (ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ یہ ظہر کی دو رکعتیں تھیں، اور آپؐ سے احرام کے لیے الگ سے دو رکعتیں پڑھنا منقول نہیں۔)

نماز پڑھنے کے بعد آپؐ نے مصلیٰ پر بیٹھے بیٹھے تہلیل کی۔ پھر آپؐ اپنی قصوا نامی اونٹنی پر سوار ہوئے، احرام باندھا، اور جب اونٹنی بیداء پہاڑی پر چڑھ گئی تو، آپؐ نے ان الفاظ میں لبیک کہا:

لَبَّیکَ ، اَللّٰھُمَّ لَبَّیکَ ، لَا شَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ

اِنَّ الحَمدَ وَالنِّعمَۃَ لَکَ وَالمُلکَ لَا شَرِیکَ لَکَ

آپؐ نے یہ تَلبِیَہ بلند آواز سے کہا، یہاں تک کہ تمام صحابہؓ نے اسے سن لیا۔ صحابہؓ نے آپؐ کی آواز میں آواز ملا دی، اور ذوالحلیفہ لَبَّیکَ، لَبَّیکَ کی صداؤں سے گونج اٹھا۔

بعض صحابہؓ نے لَبَّیکَ کہنے میں، لَبَّیکَ ذَاالمَعَارِجِ لَبَّیکَ ذَاالفَوَاضِلِ (میں حاضر ہوں، بلندیوں والے، میں حاضر ہوں اور فضیلتوں والے!) بھی کہا آپؐ نے انہیں منع نہ فرمایا۔

نبی کریمؐ نے اور صحابہؓ کے ایک گروہ نے، حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا، (یعنی حجِ قِرَان کا)۔ صحابہؓ کے ایک گروہ نے صرف حج کا، (یعنی حجِ اِفراد کا)، اور ایک گروہ نے صرف عمرہ کا، (یعنی حجِ تمتّع کا۔) جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے صرف حج کا اِحرام باندھا، ہم حج کے دنوں میں عمرہ کرنے سے واقف نہ تھے۔ حضورؐ کے ساتھ قربانی کے جانور بھی تھے۔

ذوالحلیفہ میں حضرت ابوبکرؓ کی بیوی، اسماء بنت عمیسؓ کے ہاں زچگی ہوئی، اور محمد بن ابوبکرؓ پیدا ہوئے۔ انہوں نے آپؐ کی طرف پیغام بھیجا کہ میں کیا کروں؟۔ آپؐ نے فرمایا: "غسل کریں، مضبوطی کے ساتھ کپڑا باندھیں، احرام باندھیں، اور سفر جاری رکھیں"

رسول اللہؐ نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ "شبرمہ کی طرف سے لبیک"۔ آپؐ نے پوچھا "شبرمہ کون ہے"؟ اس نے کہا، میرا بھائی۔ آپؐ نے فرمایا "کیا تو اپنی طرف سے حج کر چکا ہے"؟ اس نے کہا، نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "پہلے اپنی طرف سے حج کر، پھر شبرمہ کی طرف سے۔"

حضرت ابوسعید خدریؓ بھی زور زور سے لبیک کہہ رہے تھے۔

مکہ کی طرف روانگی

۲۷ ذی قعدہ کو اتوار کے دن ' نماز ظہر کے بعد ' رسولؐ اللہ اور آپؐ کے ہمراہ صحابہ کرامؓ زور زور سے لَبَّیکَ ' لَبَّیکَ کہتے ہوئے ذوالحلیفہ سے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آپؐ کے آگے پیچھے ' دائیں بائیں ' جہاں تک نظر کام کرتی تھی ' آدمیوں کا جنگل تھا ' کچھ سوار تھے ' تو کچھ پیدل ' اور آپؐ ہمارے درمیان میں تھے۔ رسول اللہؐ جب بلند آواز سے لَبَّیکَ فرماتے ' تو ہر طرف سے اس صدائے غلغلہ انگیز کی آوازِ بازگشت آتی ' اور تمام دشت و جبل گونج اٹھتے تھے۔ حضرت انسؓ ' حضرت ابو طلحہؓ کے پیچھے بیٹھے تھے ' اور بیان کرتے ہیں کہ ہمارے چاروں طرف لوگ حج اور عمرہ کے لیے چلّا چلّا کر لَبَّیکَ کہہ رہے تھے۔ کیونکہ آپؐ نے فرمانِ الٰہی کے مطابق ' صحابہؓ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ زور زور سے لَبَّیکَ ' لَبَّیکَ کہیں۔

آپؐ نے فرمایا : " جبریلؑ میرے پاس آئے ' اور مجھے ہدایت کی کہ میں اپنے صحابہؓ کو حکم دوں کہ وہ اِحرام باندھتے ہوئے ' یا لَبَّیکَ کہتے ہوئے اپنی آوازیں بلند کریں ۔ " (ترمذی ' ابوداؤد ' نسائی ' مالک عن خلاد بن سائبؓ)۔ نیز فرمایا : " مسلمان جب لَبَّیکَ کہتا ہے ' تو اس کے دائیں بائیں ' پتھر' درخت اور مٹی کے ڈھیلے سب لَبَّیکَ کہتے ہیں ' یہاں تک کہ ادھر کی ساری ' اور ادھر کی ساری زمین (ترمذی ' ابن ماجہ عن سہل بن سعدؓ)

اس مقدس کاروان کے ساتھ راستہ میں ہر جگہ سے فوج در فوج لوگ شامل ہوتے جاتے تھے۔ نبی کریمؐ کا راہ میں جب کسی پہاڑی یا وادی سے گزر ہوتا تھا ' تین بار یہ آواز بلند تکبیر فرماتے تھے۔ فتح مکہ کے سفر میں آپؐ نے جن منازل میں نماز ادا کی تھی ' وہاں برکت کے خیال سے لوگوں نے مسجدیں بنالی تھیں۔ آپؐ انہی مساجد میں نماز ادا کرتے جاتے تھے۔

سفر میں آپؐ نے اونٹنی پر نہ محمل استعمال کیا ' نہ ہودج ' نہ عماری۔ (اگرچہ ابوحنیفہؒ ' شافعیؒ ' اور احمد بن حنبلؒ سے ان کے استعمال کا جواز منقول ہے)

، جب یہ قافلہ روحا پہنچا ' تو ایک گورخر نظر آیا۔ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا " اسے چھوڑ دو ' ممکن ہے اس کا مالک آ جائے۔ " اتنے میں مالک آ گیا ' اور اس نے اسے ذبح کر کے عرض کیا : " یا رسول اللہؐ ' یہ گورخر حاضر ہے۔ "۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا ' انہوں نے گوشت سب میں تقسیم کر دیا۔ مُحرِم کو شکار کرنے کی ممانعت ہے ' لیکن حضورؐ نے فرمایا ہے : " شکار کا گوشت حالت اِحرام میں تمہارے لیے حلال ہے ' جب تک تم خود شکار نہ کرو ' نہ تمہارے لیے شکار کیا

گیا ہو" (ابوداؤد ' نسائی ' ترمذی ' عن جابرؓ۔)

مکّہ میں داخلہ

مکّہ کے قریب ' سرف کے مقام پر پہنچ کر آپؐ نے غسل فرمایا۔

یہاں حضرت عائشہؓ ایّام سے ہو گئیں۔ انہوں نے حج کے ساتھ عمرہ کی نیت بھی کر رکھی تھی۔ رسول اللہؐ ان کے پاس آئے تو وہ رو رہی تھیں۔ آپؐ نے پوچھا: "(کیوں رو رہی ہو) ' شاید ایام آ گئے ؟" بولیں : " ہاں ' یہی ہوا ہے"۔ فرمایا : " روتی کیوں ہو ' یہ تو وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے لیے لکھ دی ہے۔ وہ سب کچھ کرو جو ایک حاجی کرتا ہے ' بس بیت اللہ کا طواف نہ کرنا جب تک کہ پاک نہ ہو جاؤ۔"

آپؐ وادی ذی طویٰ میں اترے ' اور رات یہاں قیام فرمایا۔ نماز صبح کے بعد غسل کیا۔ پھر ۴ ذی الحجہ کو اتوار کے روز صبح دن چڑھے چاشت کے وقت بالائے مکّہ سے مکّہ میں داخل ہوئے۔ طبرانی نے بیان کیا ہے کہ آپؐ باب بنی عبد مناف سے ' جو اب باب بنی شیبہ کے نام سے معروف ہے ' داخل ہوئے۔

مدینہ سے مکہ کا یہ سفر نو دن میں طے ہوا۔ خاندان بنی ہاشم کے لڑکوں نے آمد آمد کی خبر سنی تو خوشی سے باہر نکل آئے۔ آپؐ نے فرطِ محبت سے اونٹ پر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھا لیا۔

طوافِ بیت اللہ

آپؐ مسجد الحرام کے دروازہ پر آئے ' اپنی اونٹنی کو بٹھایا ' اور اندر داخل ہو گئے۔ جب کعبہ پر نظر پڑی تو فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ زِدْ بَیْتَکَ ھٰذَا تَشْرِیفًا وَ تَعْظِیمًا وَ تَکْرِیمًا وَ مَھَابَۃً"

اے اللہ اپنے اس گھر کو اور زیادہ شرف و عظمت اور عزت و ہیبت عطا کر

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ ہاتھ اٹھاتے ' تکبیر کہتے ' اور یہ بھی فرماتے تھے۔

وَ زِدْ مَنْ حَجَّہُ اَوِ اعْتَمَرَہُ تَکْرِیمًا وَ تَشْرِیفًا وَ تَعْظِیمًا وَ بِرًّا

مسجد میں آنے کے بعد آپؐ بیت اللہ کی طرف بڑھے۔ یہاں آپؐ نے تحیتہ المسجد نہیں پڑھی ' کیوں کہ مسجدِ حرام کی تحیہ طواف ہی ہے۔ جب حجرِ اسود کے سامنے آئے تو اسے بوسہ دیا ' لیکن اس کے لیے کسی سے مزاحمت نہ کی۔ پھر آپؐ نے داہنی طرف سے طواف شروع کیا ' اور کعبہ آپؐ کے بائیں جانب تھا۔ جب آپؐ رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان پہنچے تو فرمایا:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

طواف کے پہلے تین چکروں میں آپؐ تیز تیز چلے لیکن چھوٹے قدموں کے ساتھ ' یعنی رَمل کیا۔ چادر آپؐ یوں اوڑھے ہوئے تھے کہ اس کا ایک سرا دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیا تھا ' یعنی اِضطباع کیا۔

یہ بھی روایت ہے کہ آپؐ نے رکنِ یمانی کو چھوا ' مگر چوما نہیں ' نہ اسے چھو کر ہاتھ کو چوما۔ یہ بھی روایت ہے کہ آپؐ نے رکنِ یمانی کو چوما ' اور اس پر اپنا رخسار رکھ دیا۔

طواف سے فارغ ہو کر آپؐ مقامِ ابراہیم کی طرف گئے۔ آپؐ بلند آواز کے ساتھ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط کی آیت تلاوت کر رہے تھے۔ مقامِ ابراہیم پر آپؐ نے دو رکعت نماز ادا کی ' اور ان رکعتوں میں قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی تلاوت کی۔ پھر آپؐ زمزم کی جانب گئے ' اور آبِ زمزم پیا۔ وہاں سے آپؐ حجرِ اسود کی طرف لوٹے ' اس کا بوسہ لیا ' اور بابِ صَفا سے نکل کر صَفا کی پہاڑی کی جانب گئے۔

سعی بین الصَفا والمروہ

جب آپؐ صَفا کے قریب پہنچے تو اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ کی آیت پڑھی ' اور کہا اَبْدَاُ بِمَا بَدَاَ اللّٰهُ بِهٖ (میں اس سے ابتدا کرتا ہوں جس سے اللہ نے ابتدا کی ہے)۔ آپؐ صفا پر چڑھ گئے یہاں تک کہ بیت اللہ نظر آنے لگا۔ قبلہ کی طرف رخ کر کے آپ نے اللہ کی توحید کا اعلان کیا ' اور اس کی تکبیر پڑھتے رہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ ' لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ ' وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ ' اَنْجَزَ وَعْدَهٗ ' وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ ' وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ

یہاں آپؐ دیر تک دعا کرتے رہے ' اور انہی کلمات کو تین دفعہ دہرایا۔

پھر آپؐ صَفا سے نیچے اترے ' اور مَروہ کی طرف چلنا شروع کیا۔ جب آپؐ دونوں پہاڑیوں کے درمیان وادی میں پہنچے ' تو آپؐ نے تیز تیز چلنا شروع کیا۔ جب مَروہ کی چڑھائی آئی تو معمول کے مطابق چلنے لگے ' یہاں تک کہ مَروہ کے اوپر پہنچ گئے ' بیت اللہ کی طرف دیکھا ' اور جو صَفا پر پڑھا تھا وہی مَروہ پر پڑھا۔

اس طرح آپؐ نے صَفا اور مَروہ کے درمیان سات چکر پورے کئے۔ ساتواں اور آخری چکر پورا کر کے آپؐ نے مَروہ پر سے لوگوں کو پکارا —— آپؐ اوپر تھے ' اور لوگ نیچے —— اور

فرمایا : اگر میں جو پہلے کر چکا ہوں دوبارہ کر سکتا ' تو ھَدْی (قربانی کے جانور) ساتھ نہ لاتا اور اسے عمرہ بنا کر ' احرام کھول دیتا۔ اب تم میں سے جو شخص قربانی کے جانور ساتھ نہ لایا ہو ' تو وہ اسے عمرہ بنا دے ' احرام کھول دے ' اور حلال ہو جائے۔ خوشبو بھی لگا سکتا ہے ' بیوی کے پاس بھی جا سکتا ہے۔ "

سُراقہ بن مالک بن جُعشُمؓ نے سوال کیا: " یا رسول اللہؐ ' کیا یہ حکم ہمارے لیے اسی سال کے لیے ہے ' یا ہمیشہ کے لیے ؟ " رسول اللہؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈالیں ' اور فرمایا: " عمرہ ' حج میں داخل ہو گیا ! عمرہ حج میں داخل ہو گیا ! ہمیشہ ہمیشہ کے لیے "

لوگوں کو ارشاد نبویؐ سن کر بھی تذبذب رہا ' کیونکہ یہ سہولت ان کے لیے ایک نئی چیز تھی۔ جن لوگوں نے حج کا احرام باندھا تھا ' آپؐ نے ان سے تمتع کے لیے کہا ' تو انہوں نے عرض کیا: " ہم (عمرہ الگ کر کے) حج تمتع کس طرح کر سکتے ہیں جب کہ ہم حج کا احرام باندھ چکے ہیں۔ " آپؐ نے فرمایا : " جو میں کہتا ہوں وہ کرو۔ اگر میرے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوتے تو میں بھی وہی کرتا جو تم سے کہہ رہا ہوں ۔ لیکن اب میں یہ نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ قربانی کے جانور اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائیں۔ میں تب ہی اپنا احرام کھول سکتا ہوں۔ "

حضورؐ حضرت عائشہؓ کے پاس گئے ' اور اس وقت آپؐ غصہ میں تھے۔ انہوں نے آپؐ کو غصہ میں دیکھ کر عرض کیا: " آپؐ کو کس کس چیز نے غضب ناک کر دیا ہے ؟ " ۔ آپؐ نے فرمایا: " کیا تمہیں نہیں معلوم ؟ میں نے لوگوں کو ایک کام کا حکم دیا ' اور وہ تردد کر رہے ہیں ! اگر مجھے اس تردد کا حال پہلے سے معلوم ہوتا اور جو پہلے کر چکا ہوں وہ دوبارہ کر سکتا تو میں قربانی کے جانور ساتھ نہ لاتا ' بلکہ یہیں خریدتا ' اور پھر جس طرح لوگ حلال ہوئے ہیں میں بھی اس طرح حلال ہو جاتا۔ "

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب ۴ ذی الحجہ کو حضورؐ نے ہمیں حلال ہو جانے کا حکم دیا ' اور عورتوں کے پاس جانے کی اجازت بھی دے دی ' تو ہم نے تعجب کے طور پر ایک دوسرے سے کہا : " اب جب کہ ہمارے اور عرفات کے درمیان صرف پانچ دن رہ گئے ہیں تو آپؐ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم عورتوں کے پاس جا سکتے ہیں۔ کیا ہم اس حال میں عرفات جائیں کہ ہمارے قطرے ٹپک رہے ہوں۔ " حضورؐ کو جب ہماری ان باتوں کی خبر ملی تو آپؐ ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہو گئے اور فرمایا : " تم جانتے ہو میں تم سب سے زیادہ اللہ سے تقویٰ کرنے والا ہوں ' تم سب سے زیادہ سچا ہوں ' تم سب سے زیادہ نیک ہوں۔ اگر میرے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوتے

تو میں بھی اسی طرح حلال ہو جاتا جس طرح تم حلال ہوئے ہو۔ اگر میں جو پہلے کر چکا ہوں وہ دوبارہ کر سکتا تو اپنے ساتھ قربانی کے جانور نہ لاتا۔ پس تم حلال ہو جاؤ۔"

اب تمام صحابہؓ نے ' سوا ان کے جو قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے ' احرام کھول دیے ' اور حلال ہو گئے۔ ابوبکرؓ ' عمرؓ ' طلحہؓ ' اور زبیرؓ نے قربانی کے جانور (ھَدْی) ساتھ لانے کی وجہ سے احرام نہیں کھولا۔ ازواج مطہراتؓ نے احرام کھول دیے۔ حضرت فاطمہؓ نے بھی ھَدْی نہ ہونے کی باعث احرام اتار دیا۔

حضرت علیؓ حج سے کچھ پہلے یمن بھیجے گئے تھے۔ وہ یمنی حاجیوں کے ایک قافلہ اور قربانی کے جانوروں کے ساتھ مکہ پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ نے بالوں میں کنگھی کر رکھی ہے ' سرمہ لگا رکھا ہے ' اور رنگ دار کپڑے پہن رکھے ہیں۔ وہ یہ دیکھ کر خفا ہو گئے اور پوچھا کہ تمہیں ایسا کرنے کی اجازت کس نے دی ہے ؟ حضرت فاطمہؓ کے یہ بتانے پر کہ ' میرے ابا نے ' وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کی تصدیق کی ' اور حضرت علیؓ سے پوچھا ' تم نے کس چیز کا احرام باندھا ہے ؟ کہا ' میں نے تو یہ نیت کی تھی کہ میں اس چیز کا احرام باندھتا ہوں جس کا احرام میرے رسولؐ نے باندھا ہے۔ حضرت علیؓ کے پاس قربانی کے جانور بھی تھے ' اور انہوں نے احرام کی نیت بھی حضورؐ کی نیت کی مانند کی تھی ' اس لیے آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ وہ قربانی کے دن تک احرام نہ کھولیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے ' آپؐ نے ان کو احرام کھولنے کا حکم دیا۔

اس موقع پر صحابہؓ میں سے بعض نے سر منڈوایا ' اور بعض نے بال ترشوائے۔ ابن قیمؒ کہتے ہیں ' یہیں حضورؐ نے سر منڈوانے والوں کے لیے تین بار ' اور بال ترشوانے والوں کے لیے ایک بار دعائے مغفرت کی۔

عمرہ کے بعد چار دن ' یوم الترویہ یعنی ۸ ' ذی الحجہ تک ' آپؐ مکہ میں اور مکہ کے باہر مسلمانوں کے ساتھ قیام پذیر رہے۔ یعنی اتوار ' پیر ' منگل ' بدھ کے دن۔ آپؐ اس دوران نماز قصر کرتے رہے۔ ایک روایت کے مطابق ' آپؐ اس دوران دوبارہ طواف کے لیے بیت اللہ تشریف نہ لائے۔

منیٰ اور عرفات کی طرف

جمعرات کے دن ۸ ذی الحجہ کو چاشت کے وقت' آپؐ مسلمانوں کے ہمراہ مکہ سے منیٰ تشریف لے گئے' اور رات وہیں قیام کیا۔ بعض لوگوں نے جو احرام کھول چکے تھے' مکہ میں احرام باندھا'

اور بعض نے منیٰ میں۔ منیٰ کی مسجد خیف میں آپؐ نے ظہر، عصر، مغرب، عشا اور اگلے دن فجر کی پانچ نمازیں ادا کیں۔

نماز فجر کے بعد آپؐ تھوڑی دیر ٹھہرے یہاں تک کہ سورج نکل آیا، پھر آپؐ عرفات کی طرف چل پڑے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ آپؐ کے لیے میدان عرفات میں وادی نمرہ میں خیمہ کھڑا کیا جائے۔ یہ خیمہ بالوں کا بنا ہوا تھا۔

بعض صحابہؓ راستہ میں لَبَّیک لَبَّیک کہہ رہے تھے اور بعض اللہ اکبر اللہ اکبر، آپؐ نے کسی کو منع نہ کیا۔

جب رسول اللہؐ منیٰ سے روانہ ہوئے تو قریش کا خیال تھا کہ آپؐ عرفات نہیں جائیں گے اور مُزدلِفہ میں مشعرِ حرام کے قریب حج کے لیے وقوف کریں گے، جیسا کہ قریش ایامِ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔ لیکن آپؐ مُزدلِفہ سے آگے بڑھ گئے، اور میدانِ عرفات میں پہنچ گئے۔ وادیٔ نَمرہ میں آپؐ کا خیمہ کھڑا تھا۔ آپؐ خیمہ میں جا اترے، اور تھوڑی دیر وہاں قیام فرمایا۔

عرفات میں وقوف اور خطبہ

دوپہر کے وقت زوال شروع ہوتے ہی آپؐ نے اپنی اونٹنی قصوا کے لانے کا حکم دیا۔ آپؐ کے لیے قصوا پر زین ڈالی گئی اور اس پر سوار ہوکر آپؐ وادیٔ عرفات کے وسط میں تشریف لائے، اور لوگوں کے سامنے ایک عظیم خطبہ ارشاد فرمایا۔

آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا، اور جاہلیت کے تمام بیہودہ مراسم کو مٹا دیا۔ اس لیے آپؐ نے فرمایا:

ہاں، آج جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔ (صحیح مسلم، ابوداؤد)

تکمیل انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگِ راہ امتیازِ مراتب تھا، جو دنیا کی قوموں کے تمام مذاہب نے، تمام ممالک نے، مختلف صورتوں میں قائم رکھا تھا۔ سلاطین سایۂ یزدانی تھے جن کے آگے کسی کو چون و چرا کی مجال نہ تھی، ائمۂ مذہب کے ساتھ کوئی شخص مسائل مذہبی میں گفتگو کا مجاز نہ تھا، شرفاء، رذیلوں سے ایک بالاتر مخلوق تھی، غلام آقا کے ہمسر نہیں ہوسکتے تھے۔ آج یہ تمام تفرقے، یہ تمام امتیازات، یہ تمام حد بندیاں دفعتہ "ٹوٹ گئیں"

لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے، اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں، عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے سبب سے۔ (مسند احمد)

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے' اور مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ (حاکم' طبری)
تمھارے غلام! تمھارے غلام!! جو خود کھاؤ' وہی ان کو کھلاؤ' جو خود پہنو' وہی ان کو پہناؤ۔ (ابن سعد)

عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوتا' تو اس کا انتقام لینا خاندانی فرض ہو جاتا تھا' یہاں تک کہ سیکڑوں برس گزر جانے پر بھی یہ فرض باقی رہتا تھا' اور اسی بنا پر لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا' اور عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی۔ آج یہ سب سے قدیم رسم' عرب کا سب سے مقدم فخر' خاندان کا پُرفخر مشغلہ برباد کر دیا جاتا ہے' اور اس کے لیے نبوت کا منادیؑ سب سے پہلے اپنا نمونہ آپ پیش کرتا ہے'

جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقامِ خون) باطل کر دیئے گئے' اور سب سے پہلے میں' اپنے خاندان کا خون' ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا خون' باطل کر دیتا ہوں۔ (بخاری' مسلم' ابوداؤد)

تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا' جس سے غربا کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ کے لیے اپنے قرض خواہوں کے غلام بن گئے تھے۔ آج وہ دن ہے کہ اس جال کا تار تار الگ ہوتا ہے۔ اس فرض کی تکمیل کے لیے بھی معلمِ حقؐ سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتا ہے'

جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے' اور سب سے پہلے میں' اپنے خاندان کا سود' عباس بن عبدالمطلب کا سود' باطل کرتا ہوں۔ (مسلم' ابوداؤد)

آج تک عورتیں ایک جائیداد منقولہ تھیں' جو قمار بازی میں داؤں پر چڑھا دی جا سکتی تھیں۔ آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہِ مظلوم' یہ صنفِ لطیف' یہ جوہرِ نازک قدر دانی کا تاج پہنتا ہے'

عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ (مسلم' ابوداؤد)
تمھارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ (طبری ابن ہشام)

عرب میں جان و مال کی کچھ قیمت نہ تھی' جو شخص چاہتا تھا' قتل کر دیتا تھا' اور جس کا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا۔ آج امن و سلامتی کا بادشاہؐ تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے'

تمھارا خون اور تمھارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے' جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے' (بخاری' مسلم' ابوداؤد)

اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے' لیکن ان کی بنیاد خود صاحب شریعت کے تحریری اصول پر باقی نہ رہی تھی۔ ان کو خدا کی طرف سے جو ہدایتیں ملی تھیں' بندوں کی ہوس پرستیوں نے ان کی حقیقت گم کردی تھی۔ ابدی مذہب کا پیغمبرؐ اپنی زندگی کے بعد ہدایات ربانی کا مجموعہ اپنے ہاتھ سے اپنی امت کو سپرد کرتا ہے' اور تاکید کرتا ہے'

میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں' اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہوگے۔ وہ چیز کیا ہے ؟ کتاب اللہ (صحاح)

اس کے بعد آپؐ نے چند اصولی احکام کا اعلان فرمایا'

خدا نے ہر حق دار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دے دیا' اب کسی کو وارث کے حق میں وصیت' جائز نہیں۔

لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا' زنا کار کے لیے پتھر ہے۔ اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے۔

جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے' اور جو غلام اپنے مولیٰ کے سوا کسی اور طرف اپنی نسبت کرے' اس پر خدا کی لعنت ہے۔

ہاں' عورت کو' اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں' قرض ادا کیا جائے' عاریت واپس کی جائے' عطیہ لوٹایا جائے' ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔

یہ فرما کر آپؐ نے مجمع عام کی طرف خطاب کیا'

تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تم کیا جواب دو گے' (مسلم' ابوداؤد)

صحابہؓ نے عرض کیا' ہم کہیں گے '

آپؐ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا' اور اپنا فرض ادا کردیا۔

آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی' پھر اسے لوگوں کی طرف جھکا لیا' اور تین بار فرمایا :

اے خدا تو گواہ رہنا' (مسلم و ابوداؤد)

عین اس وقت جب آپؐ یہ فرضِ نبوت ادا کر رہے تھے' یہ آیت اتری'

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً (المائدہ ۵:۳)

آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کردیا اور اپنی نعمت تمام کردی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کرلیا۔

نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز منظر یہ تھا' کہ شاہنشاہِ عالمؐ جس وقت لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں فرمانِ ربانی کا اعلان کر رہا تھا' اس کے تختِ شاہنشاہی کا مسند و بالیں (کجاوہ اور عرق گیر) ایک روپیہ سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔

خطبہ سے فارغ ہوکر آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا۔' انہوں نے اذان دی' تکبیر کہی' اور آپؐ نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں۔ یہ جمعہ کا دن تھا' اس لیے وضاحت فرما دی کہ مسافر پر جمعہ لازم نہیں۔ پھر آپؐ کھڑے ہوئے' دوسری تکبیر کہی گئی' اور آپؐ نے عصر کی دو رکعتیں پڑھائیں۔ ان دونوں نمازوں کے درمیان آپؐ نے کوئی نماز نہیں پڑھی۔ آپؐ کے ہمراہ اہلِ مکہؐ بھی تھے' انہوں نے بھی قصر اور جمع کرکے ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کیں۔

جب آپؐ نماز سے فارغ ہوگئے' تو سوار ہوئے' اور مؤقف میں تشریف لائے۔ آپؐ نے پتھروں کے پاس پہاڑ کے دامن میں وقوف کیا۔ لوگوں کو آپؐ نے بطنِ عرفہ سے اٹھ جانے کی ہدایت کی' اور اعلان فرمایا: "میں نے یہاں وقوف کیا' لیکن عرفہ کا یہی مقام وقوف کے لیے مختص نہیں' بلکہ عرفات کا میدان' پورا کا پورا' جائے وقوف ہے"۔

عرب کا دستور تھا کہ ہر قبیلہ کی ایک جگہ عرفات میں مقرر تھی۔ یزید بن شعبانؓ کی جگہ اس دستور کے مطابق حضورؐ کی جگہ سے بہت دور تھی۔ انہوں نے خواہش کی کہ انہیں حضورؐ کے پاس جگہ مل جائے۔ آپ نے نزاع پیدا ہوجانے کے خیال سے اس خواہش کو قبول نہ کیا اور ابن مربع انصاری کو ان کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا: "اپنے اپنے مشاعر میں وقوف کرو' کہ تم اپنے باپ ابراہیم کی وراثت پر ہو۔"

بعض لوگ روزہ سے تھے' اور وہ روزہ کی شدت محسوس کر رہے تھے۔ بعض نے کہا کہ حضورؐ کا روزہ ہے' بعض نے کہا کہ نہیں ہے۔ حضرت میمونہؓ کہتی ہیں کہ اس موقعہ پر حضرت امِ فضلؓ نے' جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی والدہ اور حضرت میمونہؓ کی بہن تھیں' آپؐ کے پاس دودھ کا ایک پیالہ بھیجا۔ آپؐ موقف میں کھڑے تھے' لوگ دیکھ رہے تھے' اور آپؐ نے دودھ پیا۔

ایک مسلمان اپنی سواری پر سے گر پڑا' اور فوت ہوگیا۔ نبی کریمؐ نے حکم دیا کہ اسے احرام

کی دونوں چادروں ہی کا کفن دیا جائے' اسے خوشبو نہ لگائی جائے' اسے پانی اور بیری کے پتوں کا غسل دیا جائے' اس کا سر اور چہرہ چھپایا جائے۔ نیز فرمایا :

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اس طرح اٹھائے گا کہ وہ لبیک لبیک کہہ رہا ہوگا۔

نجد کے کچھ لوگ آپؐ کے خدمت میں حاضر ہوئے' اور حج کے ارکان کے بارہ میں دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا : "یوم عرفہ ہی حج کا دن ہے۔ جس نے صبح کی نماز سے قبل یہاں وقوف کرلیا' اس نے حج کو پالیا۔ ایامِ تشریق کے تین دن ہیں' لیکن جو دو دن کم یا زیادہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں"

آپؐ کی اونٹنی کا رخ پتھروں کی طرف تھا' اور جبلِ مشاۃ آپؐ کے سامنے۔ آپؐ نے اپنا رخ قبلہ کی طرف کرلیا' اور دعا' تضرع اور عاجزی میں مشغول ہوگئے' یہاں تک کہ سورج ڈوبنے لگا۔ دعا کرتے وقت آپؐ نے سینہ تک دونوں ہاتھ اٹھا رکھے تھے۔ دستِ طلب پھیلاتے ہوئے فرمایا :

یومِ عرفہ کی دعا' تمام دعاؤں سے بہتر ہوتی ہے۔

عرفہ کے دن نبی کریمؐ کی دعا زیادہ تر یہ تھی۔ یہی' آپؐ نے فرمایا' زیادہ تر انبیاءؑ کی دعا ہے :

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے اوپر کے کلمات پر اضافہ کرتے ہوئے فرمایا :

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا' وَفِیْ صَدْرِیْ نُوْرًا' وَفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا' وَفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا۔ اَللّٰھُمَّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ' وَیَسِّرْ لِیْ' وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ وَسْوَاسِ الصَّدْرِ' وَشَتَاتِ الْاَمْرِ' وَ فِتْنَۃِ الْقَبْرِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا یَلِجُ فِی اللَّیْلِ' وَشَرِّ مَا یَلِجُ فِی النَّھَارِ' وَشَرِّ مَا تَھُبُّ بِہِ الرِّیَاحُ' وَشَرِّ بَوَائِقِ الدَّھْرِ۔

اے اللہ میرے دل میں نور ڈال دے' میرے سینہ میں نور' میرے کانوں میں نور' میری آنکھوں میں نور' بھر دے۔ اے اللہ' میرا سینہ کھول دے' اور میرا کام' میرے لیے آسان کردے' اور میں دل کے وسوسوں' پریشان امری' اور قبر کی آزمائش سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ میں ہر اس چیز کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جو رات کے وقت آتی ہے' یا جو دن کے وقت آتی ہے' اور جو ہواؤں کے ساتھ آتی ہے اس کے شر سے' اور مہلکاتِ زمانہ کے شر سے۔

نیز آپؐ کی دعاؤں میں یہ بھی منقول ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِیْ وَتَرٰی مَکَانِیْ وَ تَعْلَمُ سِرِّیْ وَ عَلَانِیَتِیْ وَلَا یَخْفٰی عَلَیْکَ شَیءٌ مِنْ اَمْرِیْ۔ وَاَنَا الْبَائِسُ الْفَقِیْرُ الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ اَلْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِہٖ اِلَیْکَ اَسْاَلُکَ مَسْاَلَۃَ الْمِسْکِیْنِ وَاَبْتَہِلُ اِلَیْکَ اِبْتِہَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ وَاَدْعُوْکَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ وَ دُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُہٗ وَذَلَّ لَکَ جِسْمُہٗ وَرَغِمَ لَکَ اَنْفُہٗ وَفَاضَتْ لَکَ عَبْرَتُہٗ۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنِیْ رَبِّ بِدُعَائِکَ شَقِیًّا وَکُنْ بِیْ رَؤُفًا رَحِیْمًا یَا خَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ وَیَا خَیْرَ الْمُعْطِیْنَ۔

اے اللہ، تو میری بات سن رہا ہے، میرا مقام تیری نگاہوں میں ہے، میرے کھلے چھپے سب سے تو واقف ہے، تجھ سے میری کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ میں مصیبت زدہ اور نادار فقیر ہوں، فریادی اور تیری پناہ کا طلب گار، خوف زدہ اور ہراساں، اپنے گناہوں کا اقرار ہے، اعتراف ہے۔ میں تجھ سے مسکین کی طرح مانگتا ہوں، ذلیل گناہگار کی طرح گڑگڑاتا ہوں، ڈرا سہا اور تکلیفوں میں مبتلا تجھ کو پکارتا ہوں۔ پکار اس کی جس کی گردن تیرے آگے خم ہے، جس کا جسم تیرے آگے ذلیل و خوار پڑا ہوا ہے، جو اپنی ناک تیرے آگے زمین پر رگڑ رہا ہے، جس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ اے اللہ، اے رب، مجھے اتنا بدبخت نہ بنانا کہ تجھ سے مانگ کر بھی محروم رہوں۔ میرے لیے مہربان اور رحم کرنے والا بن جا! اے وہ بہترین ذات جس سے مانگا جائے، اے بہترین عطا کرنے والے۔

عرفات سے واپسی

جب آفتاب غروب ہوگیا، زردی بھی ختم ہوگئی، اور غروبِ آفتاب میں کوئی شبہ نہ رہا، تو نبی کریمؐ عرفات سے چل پڑے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا، اونٹنی کی لگام اپنی طرف کھینچ لی، یہاں تک کہ اس کی گردن کجاوے کے قریب آگئی۔ آپؐ خاموشی سے چل رہے تھے۔ لوگوں کے ہجوم میں اضطراب پیدا ہوگیا، آپؐ نے اپنے پیچھے جانوروں کو سختی کے ساتھ مارنے اور تیز تیز ہانکنے کا شور سنا، تو لوگوں کو سیدھے ہاتھ سے، اور بخاری میں ہے کوڑے سے، آپؐ اشارہ کرنے لگے کہ "آہستہ! آہستہ!" اور زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے: "لوگو! سکون کے ساتھ، لوگو! سکون کے ساتھ، ایضاع نیکی نہیں ہے"

آپؐ ' نہ بہت آہستہ ' نہ بہت تیز چلتے رہے۔ جب آپؐ کو میدان نظر آتا تو ذرا تیز ہوجاتے ' جب کسی ٹیلے پر پہنچتے تو اونٹنی کی باگ کچھ ڈھیلی چھوڑ دیتے یہاں تک کہ وہ چڑھ جاتی۔ آپؐ سارا راستہ مسلسل لَبَّیکَ لَبَّیکَ کہتے رہے۔

راہ میں ایک جگہ آپؐ اترے ' اور پیشاب سے فارغ ہوکر ہلکا سا وضو کیا۔ حضرت اسامہؓ نے کہا ' یارسولؐ اللہ ' نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ' نماز آگے ہے۔

قیامِ مُزدَلِفہ

تھوڑی دیر کے بعد آپؐ تمام قافلہ کے ساتھ مُزدَلِفہ پہنچ گئے۔ نماز کے لیے وضو فرمایا۔ موذن کو اذان دینے کا حکم دیا۔ پھر اقامت کہہ کر ' کجاوے اتارے اور اونٹوں کو بٹھانے سے قبل ' آپؐ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد لوگوں نے اپنے پڑاؤ پر جاکر سواریوں کو بٹھایا۔ ابھی سامان کھولنے بھی نہ پائے تھے ' کہ تکبیر ہوئی ' اور آپؐ نے عشاء کی دو رکعت نماز پڑھائی۔ ان دونوں نمازوں کے درمیان آپؐ نے کچھ نہیں پڑھا۔ نماز سے فارغ ہوکر آپؐ سو گئے ' اور صبح تک آرام کیا۔ رات میں ' روزانہ دستور کے خلاف ' قیامِ لیل کے لیے بیدار نہ ہوئے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ یہی ایک شب ہے جس میں آپؐ نے نمازِ تہجد ادا نہیں کی۔

صبح سویرے اٹھ کر آپؐ نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی۔ قریش مُزدَلِفہ سے اس وقت روانہ ہوتے تھے جب سورج پورا نکل آتا تھا ' اور آس پاس کی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر دھوپ چمکنے لگتی تھی۔ آپؐ اس رسم کے اِبطال کے لیے سورج نکلنے سے پہلے مُزدَلِفہ سے روانہ ہوگئے۔ یہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اور سنیچر کا دن تھا۔ یہ عید الاضحیٰ کا دن تھا ' یوم النحر تھا۔

آپؐ نے اپنے بعض اہل خانہ کو ان کی ضعف کے پیشِ نظر فجر سے پہلے مُزدلِفہ سے منیٰ جانے کی اجازت دے دی۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ہمیں بنو عبدالمطلب کے بچوں کے ساتھ آگے بھیج دیا ' اور ہم گدھوں پر سوار تھے۔ آپؐ نے ہماری رانوں کو ہاتھ سے تھپکتے ہوئے کہا : "میرے ننھے بیٹو ' جب تک آفتاب طلوع نہ ہوجائے ' رَمی جمار نہ کرنا"۔ حضرت عائشہؓ بتاتی ہیں کہ حضرت سودہؓ نے مُزدلِفہ کی رات نبی کریمؐ سے درخواست کی کہ آپؐ انہیں لوگوں کے ہجوم سے قبل مُزدلِفہ سے بھیج دیں ' یہ کمزور تھیں ' اور ان کے لیے چلنا پھرنا دشوار تھا۔ آپؐ نے انہیں اجازت دی تو وہ پہلے ہی چلی گئیں ' اور ہم رک گئے ' یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ پھر ہم آپؐ کے ساتھ گئے ' لیکن میرا جی چاہا تھا کہ سودہؓ کی طرح میں بھی اجازت مانگ لیتی ' یہ میرے لیے سہولت کا باعث ہوتا۔ حضرت اُمِّ سلمہؓ بتاتی ہیں مُزدلِفہ کی رات ' جن لوگوں کو اپنے اہل میں

سے نبی کریمؐ نے آگے بھیجا' آپؐ نے ان میں مجھے مُقدّم رکھا۔ باقی ازدواجؓ آپؐ کے ہمراہ منیٰ گئیں۔

آپؐ سوار ہوئے اور مشعرِ حرام کے پاس اپنے موقف میں آئے' لیکن یہاں بھی لوگوں کو آگاہ کیا کہ میں نے یہاں وقوف کیا ہے' مگر سارا مُزدلِفَہ موقف ہے۔ یہاں پہنچ کر آپؐ قبلہ رخ ہوئے' دعا کی' تضرع' تکبیر و تہلیل اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوگئے' یہاں تک کہ جب صبح کی روشنی خوب پھیل گئی تو طلوعِ آفتاب سے قبل آپؐ منیٰ روانہ ہوگئے۔

اسی مقام پر عروق بن مفرس طائی نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسولؐ" میں جبل طے سے آیا ہوں۔ میں نے برابر اپنی سواری کو چلایا ہے' اور اپنے آپ کو بالکل تھکا دیا ہے۔ خدا کی قسم میں نے ہر پہاڑ پر وقوف کیا۔ کیا میرا حج ہوگیا؟" رسولؐ اللہ نے فرمایا: "جو ہماری اس نماز میں حاضر ہوا' جس نے ہمارے ساتھ وقوف کیا' اس سے پہلے کہ ہم چل پڑیں' تو اس کا حج ہوگیا"۔

عرفات سے مُزدلِفَہ تک حضرت اسامہ بن زیدؓ آپؐ کے پیچھے بیٹھے رہے تھے' مُزدلِفَہ سے آپؐ نے حضرت فضل بن عباسؓ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ آپؐ راستہ بھر تَلبیہ کہتے رہے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ قریش کی ایک جماعت کے ساتھ ساتھ پیدل جارہے تھے۔ اہلِ حاجت دائیں بائیں حج کے مسائل دریافت کررہے تھے' آپؐ جواب دے رہے تھے' اور زور زور سے مناسکِ حج کی تعلیم دیتے جارہے تھے۔

بنی خثعم کی ایک خوبصورت عورت حاضر ہوئی' اور عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ ' اللہ نے جو حج اپنے بندوں پر فرض کیا ہے' وہ میرے بوڑھے باپ پر ایسے وقت لازم ہوگیا ہے جب کہ وہ سواری پر بھی نہیں چل سکتا' کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟"۔ آپؐ نے فرمایا: "ہاں" ۔ فضل بن عباسؓ اس عورت کی طرف دیکھنے لگے' اور وہ عورت ان کی طرف۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ فضلؓ کے چہرے پر رکھ دیا' اور اس کا رخ دوسری طرف پھیر دیا۔

ایک آدمی حاضر ہوا' اور اپنی ماں کے بارے میں پوچھا کہ وہ بہت بوڑھی ہے' سوار کیا جائے تو برداشت نہ کرسکے گی' حج نہ کرنے دیا جائے تو خودکشی کرلے گی۔ آپؐ نے فرمایا: "اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا؟" اس نے عرض کیا: "ہاں' ضرور"۔ آپؐ نے فرمایا: "تو اپنی ماں کی طرف سے حج کر"۔ اسی طرح ایک شخص نے اپنی بہن کے بارہ میں سوال کیا جو حج کی نذر ماننے کے بعد مرگئی۔ آپؐ نے اسے بھی اللہ کا قرض ادا کرنے یعنی نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔

جب آپؐ وادی مُحَسِّر میں تشریف لائے تو اونٹنی کو تیز کردیا۔ اس جگہ اصحابِ فیل پر عذاب

نازل ہوا تھا' اور جن مقامات میں اللہ نے اپنے دشمنوں پر عذاب نازل کیا تھا وہاں آپؐ کی عادت طیبہ یہ تھی کہ تیز چلتے۔

راستہ میں آپؐ نے حکم دیا کہ آپؐ کے لیے سات عدد کنکریاں چن لی جائیں۔ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ نہ یہ کنکریاں رات کو چنی گئیں' نہ انہیں اسی رات کو پہاڑ سے اکھاڑا گیا' کسی بھی ڈھیر سے سات کنکریاں چن لیں۔ آپؐ نے انہیں ہاتھ میں اچھالا اور فرمایا: "دین میں غلو کرنے سے بچو' کیونکہ تم سے پہلے جن لوگوں نے دین میں غلو کیا وہ ہلاک ہوگئے"۔ ایک روایت کے مطابق' آپؐ یہ الفاظ رَمی کرتے ہوئے فرما رہے تھے۔

منیٰ واپسی اور رَمی جمار

منیٰ میں داخل ہونے کے بعد' آپؐ جمرۂ عقبہ پر پہنچ گئے' اور وادی کے نچلی جانب ٹھہرے۔ بائیں طرف کعبہ' دائیں طرف منیٰ' اور سامنے جمرہ تھا۔ آپؐ سواری پر تھے' اور طلوعِ آفتاب کے بعد آپؐ نے تینوں جمرات کو سواری پر سے ایک ایک کرکے کنکر مارے' اور ہر کنکر کے ساتھ تکبیر کہتے رہے۔ رَمی کرکے آپؐ نے تلبیہ ختم کردیا' جو آپؐ راستہ بھر برابر کہتے رہے تھے۔ لوگوں کے ہجوم کے باوجود نہ تو وہاں مارنا تھا' نہ ہانکنا' نہ ہٹو بچو کی صدائیں۔ حضرت بلالؓ اور حضرت اسامہؓ آپؐ کے ہمراہ تھے۔

منیٰ میں خطبہ

آپؐ یہاں سے فارغ ہوکر منیٰ کے میدان میں تشریف لائے۔ داہنے بائیں' آگے پیچھے' تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا۔ مہاجرین قبلہ کے داہنے' انصار بائیں' اور بیچ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں۔ آپؐ ناقہ پر سوار تھے' حضرت بلالؓ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی۔ حضرت اسامہؓ بن زید پیچھے پیچھے کپڑا تان کر سایہ کیے ہوئے تھے۔ آپؐ نے نظر اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فرائضِ نبوت کے ۲۳ سالہ نتائج نگاہوں کے سامنے تھے' زمین سے آسمان تک قبول و اعترافِ حق کا نور ضوفشاں تھا' دیوانِ قضا میں انبیائے سابقین کے فرائضِ تبلیغ کے کارناموں پر ختمِ رسالت کی مہر ثبت ہو رہی تھی' اور دنیا اپنی تخلیق کے لاکھوں برس کے بعد دینِ فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائنات کے ذرّہ ذرّہ کی زبان سے سن رہی تھی۔

اب ایک نئی شریعت' ایک نئے نظام اور ایک نئے عالم کا آغاز تھا۔ اس بناپر رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا'

ابتدا میں جب خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا' زمانہ پھر پھرا کے آج پھر اسی نقطہ پر

آگیا'
ابراہیم خلیلؑ کے حج کا موسم اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی قسم کی خونریزی جائز نہیں تھی' اس لیے عرب کے لوگ جنگ کرنے کے لیے اس کو کبھی گھٹا کبھی بڑھا دیتے تھے۔ آج وہ دن آیا کہ اس اجتماعِ عظیم میں شہرِ حرم کی تعمین کردی جائے۔ آپؐ نے فرمایا:

سال کے بارہ مہینے ہیں' جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں۔ تین تو متواتر مہینے ہیں' ذوالقعد' ذوالحجہ' اور محرم' اور چوتھا رجب المرجب کا مہینہ' جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے۔

دنیا میں عدل و انصاف اور جوروستم کا محور صرف تین چیزیں ہیں' جان' مال اور آبرو۔ حضورؐ عرفات کے خطبہ میں ان کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے' لیکن عرب کے صدیوں کے زنگ کو دور کرنے کے لیے مکرر تاکید کی ضرورت تھی۔ آج آپؐ نے اس کے لیے عجیب بلیغ انداز اختیار فرمایا ۔ لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا: "کچھ معلوم ہے' آج کون سا دن ہے؟" لوگوں نے عرض کیا کہ خدا اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپؐ دیر تک چپ رہے' لوگ سمجھے کہ شاید آپؐ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ دیر تک سکوت کے بعد فرمایا: "کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟" لوگوں نے کہا' ہاں بیشک ہے۔ پھر ارشاد ہوا: "یہ کون سا مہینہ ہے؟" لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا۔ آپؐ نے پھر دیر تک سکوت کیا' اور فرمایا: "کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟" لوگوں نے کہا' ہاں بیشک ہے۔ پھر پوچھا: "یہ کون سا شہر ہے؟" لوگوں نے بدستور جواب دیا۔ آپؐ نے اسی طرح دیر تک سکوت کے بعد فرمایا: "کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟" لوگوں نے کہا بیشک ہے۔ جب سامعین کے دل میں یہ خیال پوری طرح جاگزیں ہوچکا کہ آج کا دن بھی' مہینہ بھی' اور خود شہر بھی محترم ہے' یعنی اس دن ' اس مقام میں جنگ اور خونریزی' جائز نہیں' تب فرمایا:

تو تمہارا خون' تمہارا مال' تمہاری آبرو تاقیامت اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن' اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے'

قوموں کی بربادی ہمیشہ آپس کے جنگ و جدال اور باہمی خونریزیوں کا نتیجہ رہی ہے۔ وہؐ جو ایک لازوال قومیت کا بانی بن کر آیا تھا' اسؐ نے اپنے پیروؤں سے بہ آواز بلند کہا:

ہاں' میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا'

ظلم و ستم کا ایک عالمگیر پہلو یہ تھا کہ اگر خاندان میں کسی ایک شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوتا' تو اس خاندان کا ہر شخص اس جرم کا قانونی مجرم سمجھا جاتا تھا۔ اکثر اصلی مجرم کے روپوش یا فرار ہوجانے کی صورت میں' بادشاہ کا اس خاندان میں سے جس پر قابو چلتا تھا' اس کو سزا دیتا تھا۔ باپ کے جرم میں بیٹے کو سولی دی جاتی تھی' اور بیٹے کے جرم کا خمیازہ باپ کو اٹھانا پڑتا تھا۔ یہ سخت ظالمانہ قانون تھا' جو مدت سے دنیا میں حکمران تھا۔ اگرچہ قرآن مجید نے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی کے وسیع قانون کی رو سے اس ظلم کی ہمیشہ کے لیے بیخ کنی کردی تھی' لیکن اس وقت جب دنیا کا آخری پیغمبرؐ ایک نیا نظامِ سیاست ترتیب دے رہا تھا' اس اصول کو فراموش نہیں کرسکتا تھا' آپؐ نے فرمایا'

> ہاں ' مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے۔ ہاں' باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں' اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ' باپ نہیں' (ابن ماجہ ' ترمذی)

عرب کی بدامنی اور نظامِ ملک کی بے ترتیبی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ہر شخص اپنی خداوندی کا آپ مدعی تھا' اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری کو اپنے لیے ننگ اور عار جانتا تھا۔ ارشاد ہوا'

> اگر کوئی حبشی نکٹا غلام بھی امیر ہو' اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے' اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔ (مسلم)

ریگستانِ عرب کا ذرہ ذرہ اس وقت اسلام کے نور سے منور ہوچکا تھا' اور خانہ کعبہ ہمیشہ کے لیے ملتِ ابراہیم کا مرکز بن چکا تھا' اور فتنہ پردازانہ قوتیں پامال ہوچکی تھیں' اس بنا پر آپؐ نے ارشاد فرمایا'

> ہاں' شیطان اس بات سے مایوس ہوچکا ' اب تمہارے اس شہر میں اس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی۔ البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کرو گے' اور وہ اس پر خوش ہوگا۔ (ابن ماجہ و ترمذی)

سب سے آخر میں آپؐ نے اسلام کے بنیادی فرائض یاد دلائے۔

> صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرو' پانچوں وقت کی نماز پڑھو' مہینہ کا روزہ رکھا کرو' اور میرے احکام کی اطاعت کرو' خدا کی جنت میں داخل ہوجاؤ گے) (احمد' مسلم)

یہ فرما کر آپؐ نے مجمع کی طرف اشارہ کیا' اور فرمایا۔

کیوں، میں نے پیغامِ خداوندی سنا دیا؟

سب بول اٹھے، ہاں

فرمایا: "اے خدا تو گواہ رہنا"

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا،

جو لوگ اس وقت موجود ہیں، وہ ان کو سنا دیں جو موجود نہیں،

خطبہ کے اِختتام پر آپؐ نے سارے مسلمانوں کو الوداع کہا

منیٰ میں آپؐ یہ بھی فرماتے رہے،

حج کے مسائل سیکھ لو! میں نہیں جانتا، شاید کہ اس حج کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔

یہ بھی فرمایا: "شاید میں تمہیں اس سال کے بعد نہ دیکھوں"۔

خطبہ کے بعد ہی سے لوگ آپؐ کے چاروں طرف جمع ہو گئے، اور مناسکِ حج کے بارہ میں پوچھنا شروع کر دیا۔ اس دن آپؐ سے جس نے بھی، کسی بھی کام کے بارہ میں، سوال کیا کہ میں نے وہ پہلے یا بعد میں کر لیا ہے، آپؐ نے یہی فرمایا کہ "کوئی حرج نہیں، کوئی بات نہیں"۔

ایک شخص آیا، اور کہا: "میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈا لیا؟"۔ آپ نے فرمایا: "اب قربانی کر لو، کوئی حرج نہیں"۔ دوسرا آیا، اور کہا: "میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کر لی؟" ۔ فرمایا: "اب کنکریاں مار لو، کوئی حرج نہیں۔" پھر ایک اور آیا، اور کہا: "میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے طواف کر لیا ہے؟"۔ فرمایا "اب کنکریاں مار لو، کوئی حرج نہیں"۔ ایک شخص نے پوچھا: "میں نے شام ہونے کے بعد کنکریاں ماریں؟" فرمایا: "کوئی حرج نہیں"۔ ایک اور شخص آیا، اور کہا: "میں نے سر منڈانے سے پہلے طواف کر لیا؟" فرمایا: "اب سر منڈالو، یا بال ترشوالو، کوئی حرج نہیں"۔ غرض بعض کہتے تھے کہ یہ کام میں نے بعد کیا، اور بعض کہتے تھے کہ یہ کام میں نے پہلے کر لیا، اور آپؐ سب کے جواب میں فرماتے: "کوئی گناہ نہیں! ہاں، جس نے کسی مسلمان کی عزت پر ہاتھ ڈالا، اور ظلم کیا، اس پر گناہ ہے اور وہ ہلاک ہوا۔

قربانی

جب آپؐ ذوالحلیفہ سے روانہ ہوئے تھے، تو، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں میں نے قربانی کے جانوروں کی رسی اپنے ہاتھوں سے بٹی، اور ان کے گلوں میں ہار ڈالے۔ ایک روایت میں ہے کہ

حضورؐ نے ان کے کوہانوں کو زخمی کیا' گلوں میں جوتوں کے ہار ڈالے۔ پھر ان جانوروں کو قربانی کے لیے روانہ کردیا گیا تھا۔

ابوھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے قربانی کے جانور کو ہنکائے لیے پیدل چلا جا رہا تھا۔ آپؐ نے اس سے کہا: "اس پر سوار ہو جا"۔ اس نے کہا: "یہ قربانی کا جانور ہے!" ۔ آپؐ نے پھر کہا: "اس پر سوار ہو جا"۔ اس نے پھر تذبذب کا اظہار کیا: "یہ قربانی کا جانور ہے"۔ آپؐ نے تیسری مرتبہ فرمایا: "اس پر سوار ہوجا' تجھ پر افسوس ہے"

منیٰ خطبہ دینے کے بعد آپؐ منیٰ میں قربان گاہ تشریف لے گئے۔ آپؐ نے جو اونٹ ذوالحلیفہ سے روانہ کیے تھے' اور جو اونٹ حضرت علیؓ یمن سے لائے تھے' وہ سب ملا کر آپؐ کے ساتھ قربانی کے ۱۰۰ اونٹ تھے۔ ۶۳ اونٹ آپؐ نے ذبح کیے۔ (عمر مبارک بھی اس وقت ۶۳ برس تھی)۔ آپؐ کھڑے ہوکر' اونٹ کی بائیں ٹانگ باندھ کر گلے میں نیزہ مار کر ذبح کررہے تھے۔ پھر حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ باقی ماندہ جانوروں کو ذبح کردیں' ان جانوروں کا چمڑا اور گوشت مساکین میں تقسیم کردیں' اور قصابوں کو گوشت بنانے کا معاوضہ اس میں سے نہ دیں۔ آپؐ نے انھیں اپنی قربانی کے جانوروں میں شریک بھی کیا۔ آپؐ نے اپنی بیویوں کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔ دو مینڈھے بھی ذبح کرنا منقول ہے۔ پھر آپؐ نے ہر اونٹ میں سے گوشت کا ایک ٹکڑا لینے کا حکم دیا' چنانچہ انھیں ایک ہانڈی میں ڈالا گیا' ان کا سالن پکایا گیا' آپؐ نے گوشت کھایا اور شوربا پیا۔

آپؐ نے یہ اعلان بھی فرمایا: "میں نے قربان گاہ میں قربانی کی ہے' مگر منیٰ تمام کا تمام قربان گاہ ہے' ہر گلی اور میدان میں قربانی ہو سکتی ہے' اپنے خیموں میں بھی قربانی کرسکتے ہو۔ بلکہ قربانی کے لیے منیٰ کی کچھ تخصیص نہیں' مکہ بھی پورا قربان گاہ ہے' اور مکہ کے ہر میدان' ہر راستہ اور ہر گلی میں قربانی ہوسکتی ہے"۔ یہ اعلان آپؐ نے اسی طرح امت کی سہولت کے لیے کیا جس طرح آپؐ نے عرفہ میں وقوف کیا تو فرمایا' میں نے یہاں وقوف کیا' لیکن سارا عرفات جائے وقوف ہے' اور آپؐ نے مُزدلِفَہ میں وقوف کیا تو فرمایا' میں نے یہاں وقوف کیا' لیکن مُزدلِفَہ سب کا سب جائے وقوف ہے۔

نبی کریمؐ سے دریافت کیا گیا کہ کیا منیٰ میں آپؐ کے لیے کوئی خیمہ وغیرہ لگا دیا جائے' تاکہ گرمی سے حفاظت ہوسکے؟ آپؐ نے فرمایا "نہیں' جو آدمی جہاں پہلے پہنچ جائے وہی اس کے لیے جائے وقوف ہے"' گویا آپؐ نے منیٰ کو تمام مسلمانوں کے لیے مشترک' اور وہاں قیام کے حق میں

سب کو مساوی قرار دیا۔ جو بھی کسی جگہ پہلے پہنچ جائے' وہی وہاں کا زیادہ حق دار ہے' البتہ وہ اس جگہ کا مالک نہیں بن سکتا۔

حلق (سر منڈانا)

جب نبی کریمؐ قربانی سے فارغ ہوئے' تو حجام کو بلایا۔ عبداللہ بن معمرؓ نے حجام کے فرائض انجام دیے۔ وہ استرا لے کر آپؐ کے سر کے برابر کھڑے ہوگئے۔ آپؐ نے ان کی طرف دیکھا' اور فرمایا: "اللہ کے رسولؐ نے تمھیں اپنی کنپٹیوں پر اختیار دے دیا ہے' حالانکہ تمہارے ہاتھ میں استرا ہے۔" معمرؓ نے عرض کیا: "اللہ کی قسم اے اللہ کے رسولؐ" "بے شک یہ مجھ پر اللہ کی نعمت ہے"۔ آپؐ نے فرمایا: "ہاں' بے شک"

پھر آپؐ نے اپنی دائیں جانب اشارہ کرکے فرمایا: "لو' مونڈو"۔ جب وہ فارغ ہوگئے' تو آپؐ نے فرطِ محبت سے یہ بال خود اپنے دست مبارک سے ان لوگوں میں تقسیم کردیئے جو آپؐ کے پاس بیٹھے تھے۔ پھر آپؐ نے حجام کو اشارہ کیا' تو انھوں نے بائیں جانب کے بال مونڈے۔ دریافت فرمایا' ابو طلحہؓ یہاں ہیں؟ چنانچہ موئے مبارک ان کو اور ان کی بیوی' ام سلیمؓ کو عطا کردیے۔ مسلم کی روایت کے مطابق انسؓ بیان کرتے ہیں کہ دائیں جانب کے حلق کے بعد آپؐ نے ابو طلحہؓ انصاری کو بلایا' اور بال انھیں عنایت کردیے۔ پھر بائیں جانب کے حلق کے بعد' ابو طلحہؓ کو بال عطا کرکے فرمایا' انھیں لوگوں میں تقسیم کردو۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ کی عطا پہلے عام تھی' پر ابو طلحہؓ کے لیے مخصوص کردی' اور عطا کرنے میں آپؐ کی عادت طیبہ یہی تھی۔ غالباً جب پہلے تقسیم عام کی تو ابو طلحہؓ نے لینے میں سبقت کی۔

محمد بن زیدؓ کہتے ہیں کہ ان کے والد نے بتایا' وہ قربان گاہ میں نبی کریمؐ کے ہمراہ موجود تھے' جب آپؐ تقسیم کر رہے تھے۔ قریش کے ایک آدمی کو کچھ نہ ملا' نہ اس کے ساتھی کو۔ نبی کریمؐ نے کپڑا سامنے رکھ کر سر کا حلق کرایا' اور اسے موئے مبارک عطا فرمائے۔ اس نے ان میں سے کچھ حصہ لوگوں میں تقسیم کردیا۔ پھر آپؐ نے ناخن کتروائے' اور اس آدمی کے ساتھی کو دے دیے۔ اس شخص نے بتایا کہ آپؐ کے بال ہمارے پاس مہندی اور کسم میں رنگے ہوئے موجود ہیں۔

صحابہؓ میں سے بعض لوگوں نے سر منڈوایا (حلق کیا)' اور بعض نے بال ترشوائے (قصر کیا)۔ آپؐ نے فرمایا: "اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحم فرما"۔ صحابہؓ نے عرض کیا: "اور بال ترشوانے والے' یارسول اللہؐ؟"۔ آپؐ نے پھر فرمایا: "اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحم

فرمایا۔" صحابہؓ نے پھر پوچھا " اور بال ترشوانے والے' یا رسول اللہؐ ؟ " آپؐ نے فرمایا :"اور بال ترشوانے والوں پر بھی۔" ایک صحابی نے آپ کو سرمنڈوانے والوں کے لیے تین مرتبہ دعا کرتے سنا' اور ترشوانے والوں کے لیے ایک مرتبہ۔

طوافِ افاضہ

قربانی سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نماز ظہر سے قبل مکہ تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ نے اپنے ہاتھوں سے آپؐ کے جسم مبارک میں خوشبو لگائی' جس میں مشک تھی۔ آپؐ نے اونٹنی پر سوار ہوکر طواف کیا۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس کا سرا خمدار تھا۔ جب آپ حجر اسود کی طرف آئے' اللہ اکبر کہتے' چھڑی سے حجر اسود کی طرف اشارہ کرتے یا اسے چھوتے' اور اسے بوسہ دیتے۔ حجرِ اسود کے اِستلام کے لیے نہ آپ نے کشمکش کی' نہ کسی کو ایذا دی' نہ اسے بوسہ دینے کی فضیلت بتائی۔

چاہِ زمزم پر

طواف سے فارغ ہوکر نبی کریمؐ زمزم کی سبیل پر آئے۔ آبِ زمزم پلانے کی ذمہ داری بنو عبدالمطلب میں سے آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ کے سپرد تھی۔ اسی غرض کے لیے انہوں نے حضورؐ سے ایامِ تشریق میں مکہ قیام کرنے کی اجازت لے لی تھی۔ آپؐ نے پانی طلب فرمایا۔ حضرت عباسؓ نے اپنے بیٹے فضلؓ سے کہا : "فضل' اپنی ماں کے پاس جاؤ' اور ان کے پاس جو پانی ہے اس میں سے رسول اللہؐ کے لیے لے آؤ۔" آپؐ نے فرمایا : "مجھے اسی میں سے پلاؤ" ۔ چنانچہ آپؐ نے پانی پیا۔

اس کے بعد آپؐ چاہ زمزم پر تشریف لائے اور دیکھا کہ عبدالمطلب کی اولاد پانی کھینچنے اور پلانے کا کام پورے شوق اور محنت سے کر رہی ہے۔ فرمایا : "کام میں اسی طرح لگے رہو' تم ایک نیک کام کر رہے ہو۔" پھر فرمایا : "اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میرے ہاتھ لگاتے ہی' اور مجھے ایسا کرتے دیکھ کر' تم پر لوگ ٹوٹ پڑیں گے' تو میں اونٹنی سے اترتا' اور (اپنے کندھے کی طرف اشارہ کرکے کہا) رسی کو اس پر رکھتا' اور خود تمہارے ساتھ پانی کھینچتا اپنے ہاتھ سے پانی کھینچ کر پیتا"۔

حضرت عباسؓ نے ڈول سے پانی نکال کر پیش کیا۔ آپؐ نے قبلہ رخ ہوکر کھڑے پانی پیا۔

منیٰ واپسی اور ایامِ تشریق

طوافِ افاضہ سے فارغ ہو کر آپؐ منیٰ واپس تشریف لے گئے' اور نماز ظہر وہیں ادا کی' (اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ آپؐ نے نمازِ ظہر مکہ میں پڑھی یا منیٰ میں)۔

بقیہ ایامِ تشریق' یعنی ۱۳ ذی الحجہ تک' آپؐ منیٰ میں مقیم رہے۔ ۱۱ ذی الحجہ کو آپؐ نے زوال آفتاب تک انتظار کیا۔ جب زوال جاتا' تو آپؐ پیدل جمروں کی طرف چل پڑے اور سوار نہ تھے۔ آپؐ پہلے جمرہ اولیٰ پر آئے' جو مسجدِ خیف سے متصل ہے۔ آپؐ نے اسے ایک ایک کرکے سات کنکریاں ماریں۔ ہر کنکری پر آپؐ اللہ اکبر کہتے۔ پھر آپؐ آگے بڑھ کر جمرہ کے سامنے آگئے' قبلہ کی طرف رخ کرلیا' اور ہاتھ اٹھا کر بہت دیر تک دعا مانگتے رہے۔ اس کے بعد جمرہ وُسطیٰ پر آئے' اور اس پر بھی ویسے ہی کنکریاں ماریں۔ پھر وادی کے متصل بائیں طرف اترے' اور قبلہ رخ ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر پہلے کی طرح طویل دعا مانگی۔ پھر آپؐ تیسرے جمرہ پر آئے جو جمرہ عقبہ کہلاتا ہے۔ آپؐ وادی کے درمیان' جمرہ کے بالکل سامنے آگئے' اس طرح کہ کعبہ آپ کے بائیں طرف اور منیٰ دائیں طرف تھا' اور پہلے کی طرح سات کنکریاں ماریں۔

جب آپؐ نے رَمی مکمل کرلی تو واپس آگئے' اور وہاں زیادہ دیر نہ ٹھہرے۔

اسی طرح آپؐ قیامِ منیٰ کے دوران رَمی کرتے رہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپؐ نمازِ ظہر سے قبل رَمی کرتے تھے' یا بعد میں۔ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ غالباً آپؐ نے نماز سے قبل ہی رمی کی' پھر واپس آکر نماز ادا کی۔ ایامِ تشریق میں آپ نے ۱۱' ۱۲ ذی حجہ کو مزید خطبات بھی دیے۔

ایامِ تشریق کے دوران ہی نبی کریمؐ پر سورۃ اِذَا جَآءَ نَصْرُاللّٰہِ وَالْفَتْحُ نازل ہوئی' اور یہ معلوم ہوگیا کہ یہ وداع کا حج ہے۔

آپؐ نے قیامِ منیٰ دنوں میں کمی نہیں کی' بلکہ اضافہ کیا' اور ایام تشریق میں رَمی کے تین دن پورے کیے۔

منیٰ سے واپسی اور طوافِ وداع

بدھ کے دن ۱۳ ذی الحجہ کو' زوال کے بعد آپؐ منیٰ سے روانہ ہوگئے' اور وادیٔ مُحَصَّب پہنچے' جو خیف منیٰ کنانہ کے قریب ایک ریگستانی میدان ہے۔ یہاں آپؐ نے دیکھا کہ حضرت ابو رافعؓ نے آپؐ کا خیمہ نصب کردیا ہے' اگرچہ آپؐ نے اس کا حکم نہ دیا تھا۔ آپؐ نے یہاں قیام کیا۔ بعض روایات کے مطابق آپؐ نمازِ ظہر پڑھ کر منی سے روانہ ہوئے' اور بعض کے مطابق آپؐ نے نماز ظہر مُحَصَّب میں ادا کی۔ بعض کی رائے میں مُحَصَّب میں قیام سنت ہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی

ہیں کہ یہ سنت نہیں۔ حضورؐ صرف اس لیے اترے تھے کہ وہاں سے سامان اٹھا کر مدینہ واپسی میں آسانی ہو۔

آپؐ نے عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی وادیٔ مُحَصَّب میں ادا کیں، اور کچھ دیر کے لیے سو گئے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: "آپؐ عمرہ کر کے جا رہے ہیں، میرا عمرہ (ایّام کی وجہ سے نہیں ہوا)۔ آپؐ نے ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے کہا کہ وہ انہیں تنعیم لے جائیں، حضرت عائشہؓ نے وہاں سے عمرہ کا اِحرام باندھا، مکّہ واپس آئیں، اور اپنے ایّام کی وجہ سے فوت شدہ عمرہ پورا کیا۔ رسول اللہؐ ان کے انتظار میں ٹھہرے رہے۔ ان کی واپسی کے بعد آپؐ نے لوگوں کو روانگی کا حکم دیا۔

وادی مُحَصَّب سے آپ بیت اللہ تشریف لائے، اور سحر سے قبل طوافِ وداع کیا۔ آپؐ نے نمازِ فجر حرم شریف میں ادا کی، اور سُوْرَۃُ الطُّوْر کی تلاوت کی۔ بعض روایات کے مطابق آپؐ نمازِ فجر سے قبل ہی وادی مُحَصَّب واپس آگئے، سامان لیا، اور مدینہ کی طرف واپس روانہ ہوگئے۔

مدینہ واپسی

روحاء کے مقام پر پہنچے تو ایک قافلہ ملا۔ آپؐ نے پوچھا: "تم کون لوگ ہو"؟ کہا: "ہم مسلمان ہیں"۔ قافلہ والوں نے پوچھا: "آپ کون ہیں؟" فرمایا: "میں اللہ کا رسول ہوں"۔ ایک عورت پنگھوڑے سے اپنے بچے کو اٹھا لائی، اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسولؐ! کیا اس کا بھی حج ہو سکتا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں، اور اجر تجھے ملے گا"۔

جب آپؐ ذوالحلیفہ پہنچے تو رات یہاں گزاری۔ صبح کے وقت ایک طرف سے آفتاب نکلا، اور دوسری طرف سے قافلہ نبویؐ مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ مدینہ پر آپؐ کی نظر پڑی تو تین دفعہ اللہ اکبر کہا، اور یہ الفاظ فرمائے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

تصریحات

(۱) یہ مضمون ابن قیمؒ کی زادالمعاد، شبلی نعمانیؒ اور سید سلیمان ندویؒ کی سیرت النبیؐ جلد دوم، بخاری، مسلم، ترمذی اور حدیث و سیر کی دیگر کتابوں کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔

(۲) عرفات اور منیٰ کے خطبات کے تمام جملے' حضورؐ کے مختلف خطبات کے ٹکڑے ہیں۔ یہ جملے کسی حدیث میں یکجا بیان نہیں ہوئے ہیں' اس لیے ان کو مختلف ماخذوں سے جمع کرنا پڑا ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم' باب حجتہ النبیؐ و باب الدیات اور ابوداؤد (باب الاشہر الحرام وحجتہ النبیؐ) وغیرہ میں یہ خطبہ حضرت ابن عباسؓ ' حضرت ابن عمرؓ حضرت ابوامامہؓ باہلی' حضرت جابرؓ ' حضرت ابوبکرہؓ وغیرہ صحابہ کی روایتوں سے مذکورہ ہے۔ ان روایتوں میں بعض باتیں مشترک ہیں مثلاً **ان دماءکم واموالکم حرام علیکم کحرمتہ الخ** اور بعض باتیں الگ ہیں۔ مغازی و سِیَر کی کتابوں میں اور باتیں بھی مذکور ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایک طویل خطبہ تھا' ہر ایک شخص کو جو فقرہ یاد رہ گیا' جس کی اس نے روایت کی۔ بعض ضمنی الفاظ چھوڑ دیے گئے ہیں ۔ روایتوں میں ایک اور اختلاف ہے' حضرت جابرؓ اپنی روایت میں' اور ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ خطبہ کا دن بوجہ عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ اور حضرت ابوبکرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور دوسری روایتوں میں یوم النحر یعنی ۱۰ ذی الحجہ بتاتے ہیں۔ بعض روایتیں ایام التشریق کے خطبہ کی ہیں۔ ابن اسحاق نے اس کو مسلسل خطبہ کے طور پر نقل کیا ہے۔ ابن ماجہ' ترمذی اور مسند احمد میں خطبہ حجتہ الوداع کے چند فقرے منقول ہیں' جن میں یہ تصریح نہیں کہ کس تاریخ کے خطبہ میں آپؐ نے یہ فرمایا۔ بہرحال صحاح ستّہ میں مسانید کی تمام روایات کو یکجا کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس حج میں تین دفعہ خطبہ دیا ۹ ذی الحجہ یوم عرفہ کو' ۱۰ ذی الحجہ یوم النحر کو' اور تیسرا خطبہ ایام تشریق میں ۱۱ یا ۱۲ ذی الحجہ کو' ان خطبوں میں اصولی طور پر بعض باتیں مشترک ہیں اور بعض باتیں مختلف ہیں' یہ بہت ممکن ہے جیسا کہ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ چونکہ مجمع بہت بڑا تھا' اور آپؐ جو پیغام اپنی امت کو پہنچانا چاہتے تھے' وہ نہایت اہم تھا' اس لیے آپؐ نے اپنی تقریر میں بعض بعض فقرے مکرر اعادہ فرمائے ہیں۔ (شبلی نعمانی ر سلیمان ندوی)

یہ شمارہ جلد ۱۱۹ کا عدد ۵ '۶ مئی' جون ۱۹۹۳ء کا مشترکہ شمارہ ہے۔ آئندہ اس جلد ۱۱۹ کا عدد ۷ 'جولائی ۱۹۹۳ء میں شائع ہوگا۔

سفرِ حج اور سفر آخرت

امام غزالیؒ

اے دوست! خانہ کعبہ خدائے عزوجل کا گھر ہے' یہ زمین و آسمان کے بادشاہ کا دربار ہے۔ تم اس کے دربارِ شاہی میں جا رہے ہو' گویا اس ہی کی زیارت کو جا رہے ہو۔ بے شک اس دنیا میں تمہاری آنکھ دیدارِ الٰہی کی استعداد نہیں رکھتی۔ لیکن بیت اللہ کا قصد کرنے سے' اس گھر کی زیارت کرنے سے' اس ہی کے وعدہ کے بموجب' تمہیں آخرت میں رب البیت کا دیدار نصیب ہوسکتا ہے۔ حج کا یہ سفر بالکل آخرت کے اس سفر کی طرح ہے جس کے بعد اس کا دیدار ہوگا۔ دیکھو آج کا یہ سفر ضائع نہ ہو' تاکہ آخرت میں مقصود' زیارت' یعنی دیدار الٰہی' ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ ہر گام سفر آخرت کو یاد رکھو' آخرت کی تیاری کرو' تب ہی مقصودِ سفر حاصل ہوگا۔

اے دوست! یاد رکھو' اس سفر کی اصل سواری شوق کی سواری ہے۔ جتنی شوق کی آگ تیز ہو گی' اتنی ہی مقصد تک رسائی یقینی ہوگی۔ اللہ سے خوب محبت کرو۔ جس دل میں اللہ سے محبت ہوگی' اس دل میں دیدارِ کعبہ کا شوق بھڑک اٹھے گا' کہ وہ محبوب کے دیدار کا وسیلہ ہے۔ محبوب سے جس چیز کو بھی نسبت ہوجائے' محبت کرنے والے کو وہ چیز جان و دل سے محبوب ہوجاتی ہے۔ اس کا شہر' اس کی گلی' اس کا گھر' اس کا در۔ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے "میرا گھر" کہا ہے' اگرچہ وہ اس سے پاک ہے کہ کسی گھر میں رہے۔ جب محبوبِ لامکان نے ایک مکان کو اپنا گھر بنا لیا ہے' تو کوئے یار تک پہنچنے کے لیے شوق سے بے تاب دل کی رفاقت سب سے بڑھ کر حصولِ مقصد کی ضامن ہے۔

تم اگر خانہ کعبہ کے مشتاق اس لیے ہو کہ وہ اللہ کا گھر ہے' تو صرف اسی نسبت سے اس کا سفر کرو۔ گویا اپنی نیت اور ارادہ صرف اللہ کے لیے خالص کر لو۔ خوب یاد رکھو کہ بجز خالص کے کوئی ارادہ اور کوئی عمل اس کے ہاں قبول نہیں۔ پس خاص طور پر' جس بات میں ریا ہو اور

شہرت کی تلاش ہو' اس کو ترک کردو۔ اس سے بری بات کیا ہو سکتی ہے کہ سفر تو بادشاہ سے ملاقات کے لیے ہو' اور مقصود اس کے سوا کچھ اور ہو۔ دل میں بیت اللہ اور رب البیت کا مقام پہچانو گے' اور یاد رکھو گے' تو پھر ارادہ اس سے کسی کم تر چیز کا نہ کرو گے۔

سفرِ حج بھی' ہر سفر کی طرح' ترکِ علائق سے شروع ہوتا ہے۔ گھر چھوڑتے ہو' گھر والے چھوڑتے ہو' مال و تجارت ترک کرتے ہو' وطن سے جدا ہوتے ہو۔ مگر اس سفر میں کامیابی کے لیے سب سے پہلے ان حقوق سے تعلق منقطع کرو جو دوسروں کے اپنے ہاتھوں میں دبا رکھے ہیں' اور ایسے سارے حقوق حق داروں کو واپس کردو۔ یاد رکھو' ذرہ برابر ظلم بھی اگر کسی پر کیا ہے تو وہ تمہارا قرض خواہ ہے۔ وہ تمہارا گریبان پکڑ کر کہتا ہے ' تم کہاں جاتے ہو' شرم نہیں آتی کہ جاتے ہو شہنشاہ کے گھر' اور اپنے گھر میں اس کے حکم کو اس قابل بھی نہیں سمجھتے کہ اس کی تعمیل کرو' ڈرتے نہیں کہ اتنے گناہوں کے ساتھ کہیں وہ تمہیں واپس نہ کردے۔ اس لیے' اگر اپنی زیارت کی قبولیت چاہتے ہو تو خالص توبہ کرکے ہر گناہ سے تعلق توڑلو' حقوق جو ظلم سے لیے ہیں واپس کردو' اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں لگ جاؤ۔

اپنے دل کا علاقہ ماسوا اللہ سے بھی منقطع کرلو' اور جس طرح اپنے سفر کا رخ اس کے گھر کی طرف کرلیا ہے' اپنے دل کا رخ اسی کی طرف کرلو۔ وطن سے تعلق اس طرح منقطع کرلو جیسے پھر لوٹ کر نہ آؤ گے' اہل و عیال کے لیے وصیت لکھ کر جاؤ۔ سفر کا ساماں کرتے ہو' تو اتنا خرچ ساتھ لینے کا اہتمام کرتے ہو کہ کسی جگہ کمی نہ پڑے۔ یاد رکھو کہ آخرت کا سفر اس سفر کی بہ نسبت کہیں زیادہ طویل اور کٹھن ہے' اور اس سفر کا سامان تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے علاوہ ہر مال و اسباب دغا دے گا' اور موت کے وقت پیچھے رہ جائے گا۔ اس فکر اور کوشش میں رہو کہ اعمالِ حج میں ایسی آمیزش یا نقص نہ آجائے کہ وہ موت کے بعد تمہارا ساتھ نہ دیں' اور اس سفر سے تم سفرِ آخرت کے لیے تقویٰ کا زادِ راہ زیادہ سے زیادہ جمع کرلو۔

اے دوست! اہل و عیال اور مال و اسباب سے رخصت ہو کر جب سواری پر سوار ہو' تو اللہ کا شکر ادا کرو جس نے خشکی پر' پانی میں' ہوا میں' ہر قسم کی سواری کو تمہارے لیے مسخر کردیا۔ حج کی سواری پر نظر پڑے' تو اپنے جنازہ کو نگاہوں کے سامنے رکھو' جس پر سوار ہو کر ایک روز آخرت کی طرف کوچ کرنا ہوگا۔ آج حج کی سواری پر سفر اس طرح کرو کہ جنازہ پر سفر کرنا آسان ہو۔ کیا معلوم کہ موت' سفرِ حج سے بھی زیادہ قریب ہو۔

اے دوست! احرام کے لیے چادریں خریدو' تو وہ دن یاد کرو جب تم کفن کی دو بے سلی

چادروں میں لپیٹے جاؤ گے۔ ہو سکتا ہے کہ حج کا سفر پورا نہ ہو اور راستے ہی میں موت آجائے' مگر کفن میں لپٹ کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات تو یقینی ہے۔ جس طرح اللہ کے گھر کی زیارت روز مرہ کا لباس اتار کر اس سے مخالف لباس پہنے بغیر نہیں ہو سکتی' اللہ کی زیارت بھی اس کے بغیر نہ ہوگی کہ دنیا کو اتار کر اس سے مخالف لباس میں ملبوس ہو جاؤ۔

اے دوست! شہر سے نکلتے ہو تو' اہل و عیال اور وطن سے جدا ہو کر' ایسے سفر پر جاتے ہو جو دنیا کے اور سفروں سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا۔ سوچنا چاہیے کہ میرا مقصد کیا ہے' میں کہاں جا رہا ہوں' اور کس کی زیارت مطلوب ہے۔ اچھی طرح یاد رکھو کہ اس سفر سے تمہارا مقصود اللہ تعالیٰ ہے' اسی کے گھر جا رہے ہو' اس ہی کی پکار پر' اس ہی کے شوق دلانے سے' اس ہی کے حکم سے' سارے تعلقات ترک کر کے' اس گھر کی طرف جا رہے ہو جس کی شان انتہائی عظیم ہے' جس کی زیارت کے وسیلے خود صاحبِ گھر کی زیارت تمہیں نصیب ہوگی۔ مگر امید اپنے اعمال سے نہ رکھو' بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل پر رکھو ---- وہ میرے ساتھ ہوگا' میری مدد کرے گا' میری دستگیری و رہنمائی کرے گا' مجھے منزل مراد تک پہنچائے گا ---- یہ کرم اس کا کیا کم ہے کہ اس سفر سے اگر تم خانہ کعبہ نہ بھی پہنچ سکو' اور راستہ ہی میں موت آجائے' تو بھی اس سے ملاقات اس حال میں ہوگی کہ تم اس کی طرف سفر میں ہو۔ پھر اس کے سارے وعدے پورے ہوں گے۔ کیا اس نے وعدہ نہیں فرمایا ہے کہ

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ (النساء : ۱۰۰)

اور جو اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلے' پھر راستہ ہی میں اسے موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا۔

شہر سے نکل کر میقات تک سفر کرو' تو موت کے بعد جسم سے نکل کر میقاتِ قیامت تک کے سفر کے احوال یاد کرو۔ قبر کی تنہائی' اور عذاب' آگے کے اندیشے اور خطرات' منکر نکیر کے سوالات!

اے دوست! میقات پر لبیک کہو' تو دل خوف و امید سے لرز جائے۔ یہ ربِّ کائنات کی پکار ہے جس پر تم کہہ رہے ہو کہ میں حاضر ہوں۔ کہیں یہ نہ کہہ دیا جائے کہ لالبیک ولا سعدیک' نہ تم خدمت کے لیے حاضر ہو' نہ ہمارے لیے مستعد۔ ابو سلیمان دارانیؒ کہتے ہیں' میں نے سنا ہے کہ جو شخص ناجائز مال رکھتے ہوئے حج کرتا ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ "نہ تیرا لبیک معتبر ہے نہ

سعدیک‘ جب تک تو وہ چیز نہ واپس کردے جو دوسروں کی تیرے قبضہ میں ہے"۔ مگر انتہائی خوف کے ساتھ‘ پوری امید رکھو کہ وہ جواب قبول فرمائے گا۔ اپنے عمل اور طاقت پر نہ جاؤ‘ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر تکیہ رکھو۔

اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک کہو تو وہ وقت بھی یاد رکھو جب صور پھونکا جائے گا اور لوگ اٹھ کر میدانِ قیامت میں جمع ہوجائیں گے۔ سوچو کہ میں کس صف میں جاؤں گا اور میرا نامۂ اعمال کس ہاتھ میں دیا جائے گا؟ مقربین میں؟ اصحاب الیمین میں؟ یا اصحاب الشمال میں؟

اے دوست! جو حرم میں داخل ہوجاتا ہے‘ مامون ہوجاتا ہے۔ مکہ میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ کے غضب اور آگ کو یاد کرو‘ اور اس سے پوری امید رکھو کہ وہ تمہیں اپنے غضب اور اپنی آگ سے بھی مامون رکھے گا۔ یہ خلش بھی دل میں رہے کہ میں اس قرب کا اہل نہ ہوا تو کہیں مستحقِ غضب نہ ٹھہروں۔ مگر رحمٰن کے گھر تک پہنچ جانے کے بعد‘ اس کا مہمان بن جانے کے بعد‘ اس کے جوار میں بسیرا کرلینے کے بعد‘ چاہیے کہ ہر جگہ امید‘ خوف پر غالب رہے۔ اس کا کرم عام ہے‘ اور خانہ کعبہ کے شرف و عظمت کی رعایت سے آنے والے کا اکرام ہوتا ہے‘ اور پناہ مانگنے والے کی حرمت تلف نہیں کی جاتی۔

اے دوست! ایسا نہ ہو کہ خانہ کعبہ پر نظر پڑے‘ اور نگاہِ دل عظمتِ کعبہ پر نہ ہو۔ جو "البیت" کو دیکھتا ہے‘ وہ یہ جانے کہ گویا "رب البیت" کو دیکھتا ہے۔ اس کی تجلی سے ہوش و حواس ٹوٹ پھوٹ جائیں تو بھی کم ہے۔ شکر کرے کہ اس نے اس مقام تک پہنچایا‘ اس وقت کو یاد کرے جب چہرے اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کی نعمت سے شادکام ہوں گے‘ اور امید رکھے کہ آج جس طرح اس کا گھر سامنے ہے‘ کل اسی طرح وہ خود نگاہوں میں ہوگا۔

اے دوست! طواف کا قصد کرو‘ تو دل ذوق و شوق‘ خوف و رجا‘ محبت و تعظیم سے بھرا ہو۔ یہ خیال نہ کرنا کہ طواف کا مقصد صرف اتنا ہے کہ جسم بیت اللہ کا طواف کرے۔ نہیں‘ طواف کا برتر و اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ دل رب البیت کا طواف کرے‘ یاد کا مرکز وہی بن جائے۔ خانہ کعبہ عالمِ ظاہر میں دربارِ الٰہی کا نمونہ ہے۔ ان فرشتوں کی طرح طواف کرو جو عرش کا طواف کرتے ہیں۔

حجرِ اسود کو بوسہ دو تو یہ جانو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر اطاعت و فرمانبرداری کی بیعت کر رہے ہو۔ حجرِ اسود‘ جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا‘ یمین اللہ عز و جل فی الارض (اللہ کا داہنا ہاتھ زمین پر) ہے‘ یصافح بھا خلقہ کما یصافح الرجل اخاہ (جس سے وہ اپنے بندوں سے اس طرح مصافحہ کرتا ہے جس طرح ایک آدمی اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے۔ (مسلم) یہ

تمہاری خوش قسمتی ہے کہ یہاں پہنچ گئے' اب ' اللہ سے وفائے عہد کے عہد کو پختہ تر کرلو' اور بے وفائی سے بچنے اور اس کے غضب سے ڈرتے رہنے کا عزم تازہ کرلو۔

اب خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ لو' گویا کہ اللہ تعالیٰ کا دامن پکڑ رہے ہو۔ ملتزم سے چمٹ جاؤ' گویا کہ اس سے قریب ہوگئے۔ دریار پر سر رکھ دو' جیسے کوئی خطا کار دامن پکڑتا ہے' معافی کے لیے عاجزی کرتا ہے۔ یہ وقت اور مقام الحاح و زاری' توبہ و استغفار' ندامت و شوق اور رجا و خوف کا وقت اور مقام ہے۔

رو رو کر عرض کرو کہ "آپ کا دامن چھوڑ کر کہاں جاؤں' کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں' کس کے قدم پکڑ لوں ؟ میرا ملجا و ماویٰ آپ کے سوا کوئی نہیں۔ آپ کے کرم و عفو کے سوا میرا ٹھکانہ کوئی نہیں۔ آپ کا دامن نہ چھوڑوں گا' آپ کے در سے نہ ہٹوں گا ' جب تک آپ میری خطاؤں کو معاف نہ فرمائیں' اور آئندہ امن میں نہ رکھیں۔ آپ کریم ہیں' درِ کریم پر آیا ہوں' بصد عجز و نیاز آیا ہوں' بصد امید آیا ہوں' اگر آپ دامنِ عفو میں پناہ نہ دیں تو کہاں جاؤں' کیا کروں"۔

اے دوست ! صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرو' تو ایک خطا کار' عاجز' ذلیل' مسکین و درماندہ غلام کی طرح جو بادشاہی محل کے صحن میں چکر لگائے۔ کبھی خلوص کا اظہار کرو شاید کہ بادشاہ نظرِ رحمت سے سرفراز کرے' کبھی اندیشے سے غم ناک ہو کہ نہ معلوم بادشاہ قبول کرے یا نہ کرے اور میرے بارے میں کیا حکم کرے۔ بار بار آؤ اور جاؤ کہ اوّل دفعہ میں رحم نہ کرے' تو دوسری دفعہ میں کردے۔ یہ بھی خیال کرو کہ میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان بھی اسی طرح پھرنا ہوگا' ایک پلڑے میں نیکیاں اور دوسرے میں خطائیں ہوں گی۔ نہ معلوم کون سا جھک جائے' اسی امید و بیم میں صفا اور مروہ کے درمیان چلتے رہو۔

اے دوست ! عرفات کے میدان میں قدم رکھو تو میدانِ قیامت کا منظر یاد کرو۔ یہاں' لوگوں کا اژدہام' آوازوں کا بلند ہونا' زبانوں کا اختلاف' رنگوں کا اختلاف۔ وہاں' قیامت کے دن اوّل و آخر سب جمع ہوں گے' سب سے پوچھ گچھ ہوگی' سب کے چہروں کے رنگ مختلف ہوں گے' سب اپنے اپنے اعمال کے مطابق گروہوں میں منقسم ہوجائیں گے۔ یاد رکھو یہ وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ان رحمتوں کو ان صالحین کے قلوب جذب کرلیتے ہیں جو ایک وقت میں ایک جگہ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدہ ریز ہوتے ہیں' ذلت و مسکنت کے ساتھ گڑگڑاتے ہیں' اس کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ رحمتِ الٰہی کے نزول کے لیے کوئی طریقہ

اس کے برابر نہیں کہ صالحین کی ہمتیں مجتمع ہو جائیں' اور ایک وقت میں ایک زمین پر صالحین کے قلوب ایک دوسرے کی مدد کریں۔ یہ گمان نہ کرنا کہ ان کی امیدیں پوری نہ ہوں گی' یہ محروم رہیں گے اور ان کی کوششیں بے کار جائیں گی۔ نہیں' ان پر وہ رحمت نازل ہوگی جو سب کو ڈھانپ لے گی۔ یہ وہ مقام ہے کہ قبولیت کی امید کامل ہی قبولیت کی نشانی ہے۔ بس ٹوٹ کر گریہ و زاری کرو' اور حق تعالیٰ سے مانگو۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِیْ وَتَرٰی مَکَانِیْ وَ تَعْلَمُ سِرِّیْ وَ عَلَانِیَتِیْ وَلَا یَخْفٰی عَلَیْکَ شَیْءٌ مِّنْ اَمْرِیْ وَاَنَا الْبَآئِسُ الْفَقِیْرُ وَالْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ وَالْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِہٖ اِلَیْکَ اَسْأَلُکَ مَسْأَلَۃَ الْمِسْکِیْنِ وَ اَبْتَھِلُ اِلَیْکَ اِبْتِھَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ وَاَدْعُوْکَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ دُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُہٗ وَ فَاضَتْ لَکَ عَبْرَتُہٗ' وَ ذَلَّ لَکَ جِسْمُہٗ وَ رَغِمَ لَکَ اَنْفُہٗ' رَبِّ لَا تَجْعَلْنِیْ بِدُعَآئِکَ شَقِیًّا وَّکُنْ بِیْ رَءُوْفًا رَّحِیْمًا' یَا خَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ' یَا خَیْرَ الْمُعْطِیْنَ'

اے اللہ ! آپ میری بات سنتے ہیں' میرا مقام دیکھتے ہیں' میرے کھلے چھپے سب کو جانتے ہیں' میرا کوئی حال' کوئی معاملہ' کوئی ضرورت آپ سے پوشیدہ نہیں۔ میں انتہائی مصیبت زدہ اور بالکل فقیر ہوں' میں آپ سے فریاد کرتا ہوں اور پناہ طلب کرتا ہوں' کانپتا ہوں اور ڈرتا ہوں' آپ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کا اقرار اور اعتراف کرتا ہوں۔ میرا سوال ایک مسکین کا سوال ہے' گڑگڑا رہا ہوں کہ سخت ذلیل گناہگار ہوں' آپ کو پکار رہا ہوں کہ ڈر کا مارا اور نقصان زدہ ہوں ۔ میری گردن آپ کے آگے جھکی ہوئی ہے' جسم آپ کے سامنے ذلیل و رسوا ہے' ناک آپ کے سامنے خاک آلود ہے' اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ ایسا نہ کیجیے کہ آپ سے مانگنے کے بعد میں بدبخت رہوں' مجھ کو اپنی رحمت و شفقت سے ڈھانپ لیجیے۔ اے سب سے بہتر جس سے مانگنے والا مانگے ' اے سب سے بہتر عطا کرنے والے !

اِلٰھِیْ تَجَنَّبْتُ عَنْ طَاعَتِکَ عَمْدًا وَ تَوَجَّھْتُ اِلٰی مَعْصِیَتِکَ قَصْدًا فَسُبْحَانَکَ مَا اَعْظَمَ حُجَّتَکَ عَلَیَّ وَمَا اَکْرَمَ عَفْوَکَ عَنِّیْ' فَبِوُجُوْبِ حُجَّتِکَ عَلَیَّ وَ اِنْقِطَاعِ حُجَّتِیْ عَنْکَ وَ فَقْرِیْ اِلَیْکَ وَ غِنَاکَ عَنِّیْ اِلَّا غَفَرْتَ لِیْ ! یَا خَیْرَ مَنْ دَعَاہُ دَاعٍ وَ اَفْضَلَ مَنْ رَجَاہُ رَاجٍ بِحُرْمَۃِ الْاِسْلَامِ وَ بِذِمَّۃِ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ فَاغْفِرْلِیْ جَمِیْعَ ذُنُوْبِیْ وَ اصْرِفْنِیْ عَنْ مَوْقِفِیْ ھٰذَا مَقْضِیَّ الْحَوَائِجِ وَھَبْ لِیْ

مَلَنۡلَتُ وَ حَقِّقْ رِجَائِیْ فِیْمَا تَمَنَّیۡتُ !!

میرے اللہ ! میں نے جانتے بوجھتے آپ کی اطاعت سے روگردانی کی' اور نافرمانیاں کرتا رہا۔ آپ پاک ہیں۔ آپ کی حجت تو میرے خلاف بہت بڑی ہے' مگر آپ کا مجھے معاف کرنا کتنا بڑا کرم ہے۔ پس اس حال میں کہ آپ کی حجت میرے خلاف ثابت ہے اور میرے پاس آپ کے سامنے کوئی حجت نہیں' میں سراسر آپ کا محتاج ہوں اور آپ مجھ سے بے نیاز' آپ مجھے معاف ہی فرما دیجیے۔ اے سب سے بہتر جس سے مانگنے والا مانگے اور سب سے افضل جس سے امید باندھنے والا امید باندھے' اسلام کی حرمت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ تیرے سامنے پیش کرتا ہوں۔ میرے سارے گناہ بخش دیجیے' اور میری ساری حاجتیں پوری کر کے مجھے اس موقف سے واپس بھیجیے' جو کچھ میں نے مانگا ہے مجھے دے دیجیے اور جس چیز کی تمنا کی ہے اس میں میری توقع پوری کیجیے۔

"اِلٰھِی مَنْ مَدَحَ لَکَ نَفْسَہٗ فَاِنِّی لَا ئِمُ نَفْسِی ! اِلٰھِی اَخْرَسَتِ الْمَعَاصِی لِسَانِی فَمَالِی وَسِیْلَۃٌ مِنْ عَمَلِی وَلَا شَفِیْعٌ سِوَی الْاَمَلِ ! اِلٰھِی اِنِّی اَعْلَمُ اَنَّ ذُنُوبِی لَمْ تَبْقَ لِی عِنْدَکَ جَاھًا وَلَا لِلْاِعْتِذَارِ وَجْھًا وَلٰکِنَّکَ اَکْرَمُ الْاَکْرَمِیْنَ ! اِلٰھِی اِنْ لَمْ اَکُنْ اَھْلًا اَنْ اَبْلُغَ رَحْمَتَکَ فَاِنَّ رَحْمَتَکَ اَھْلٌ اَنْ تَبْلُغَنِی وَرَحْمَتُکَ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ وَاَنَا شَیْءٌ ! اِلٰھِی اِنَّ ذُنُوبِی وَاِنْ کَانَتْ عِظَامًا وَلٰکِنَّھَا صِغَارٌ فِی جَنْبِ عَفْوِکَ فَاغْفِرْھَا لِی یَا کَرِیْمُ !"

میرے اللہ ! کوئی تیرے سامنے اپنی تعریف کیا کرے' میں تو اپنے کو ملامت کرتا ہوں۔ الہٰی' گناہوں نے میری زبان گونگی کر دی' میرے پاس اپنے عمل کا وسیلہ بھی نہیں' امید کے سوا اور کوئی سفارش کرنے والا نہیں ! الہٰی' مجھے معلوم ہے کہ میرے گناہوں نے تیرے نزدیک میری کچھ قدر باقی نہ رکھی' نہ میرا منہ ہے کہ کوئی عذر پیش کروں' لیکن تو تمام کرم کرنے والوں سے زیادہ کریم ہے ! الہٰی' اگرچہ میں اس قابل نہیں کہ تیری رحمت تک پہنچوں' مگر تیری رحمت کے تو شایان ہے کہ مجھ تک پہنچے ! الہٰی تیری رحمت ہر چیز کو شامل ہے' اور میں بھی ایک چیز ہوں ! الہٰی' اگرچہ میرے گناہ بہت بڑے ہیں' لیکن تیرے عفو کے مقابل میں تو بہت چھوٹے ہیں ! میرے گناہوں سے درگزر کر' اے کریم !

اَللّٰھم اَنْتَ اَنْتَ وَ اَنَا اَنَا ، وَاَنَا العوّا دُ اِلی الذّنوبِ وَ اَنْتَ اِلی المَغْفِرَۃِ۔ اِنْ کُنْتَ لَا تَرحمُ اِلَّا اَھْلَ طَاعتِکَ فَاِ لیٰ مَن یَفزَعُ المُذنِبونَ

اے اللہ ، تو ، تو ہے ، اور میں ، میں۔ میں بار بار گناہوں کی طرف پلٹتا ہوں ، تو بار بار مغفرت کی طرف۔ میرے اللہ ، اگر تو اپنے اطاعت کرنے والوں ہی پر رحم کرے ، تو گناہگار کس کی طرف جائیں گے۔

اے دوست ! کنکریاں مارنے میں نہ تو نفس کو کوئی مزہ ہے نہ عقل کو۔ اپنے نفس کو اور اپنی عقل کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سرنگوں کردو۔ غلامی اور بندگی میں نفس و عقل کے لیے لذت بس تعمیلِ ارشاد میں ہوتی ہے۔ تعمیلِ ارشاد ہی سے دل میں اللہ کی یاد قائم ہوتی ہے۔ اقامتِ ذکر اللہ ہی کے لیے طواف ہے، سعی ہے، رمی جمار ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی بروایت عائشہؓ)

قربانی بھی اطاعت امر کا اظہار ہے، اسی لیے باعثِ تقرب ہے۔ اللہ سے امید رکھو کہ قربانی کے ہر جز کے بدلے تمہارے ہر جز کو آگ سے آزاد کرے گا۔

پس اے دوست ! سفرِ حج کے ہر قدم پر سفرِ آخرت کو یاد کرو ، اور اس سفر کے لیے زادِ راہ جمع کرو ، تاکہ کل تم رب کعبہ کے انعامات سے سرفراز رہو ، اور اس کی زیارت سے شاد کام !

(احیاء العلوم، جلد اوّل سے ماخوذ: خرم مراد)

بقیہ از صفحہ ۱۰۲

معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے مثبت کردار سرانجام دینے کے قابل بناتا ہے۔ یہ تصور انسان کو ذمہ داری کا شعور و احساس دلاتا ہے۔ اور اپنی ملکیت و کمائی میں دوسرے لوگوں اور پورے معاشرے کے حقوق کو تسلیم کرنے اور خوشدلی و رضا مندی سے انہیں ادا کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ اور اپنے تمام معاشی تعلقات و معاملات کے سلسلے میں اپنے ضمیر، عوام، عدالت اور مالکِ حقیقی کے سامنے مسئول و جوابدہ قرار دیتا ہے۔ اس سے پورے عالمِ انسانیت کی ترقی و خوشحالی، فلاح و بہبود اور نجات و کامیابی کا علمبردار، نہایت عادلانہ اور منفرد معاشی نظام معرضِ وجود میں آجاتا ہے، جس کا نام اسلام ہے۔ جو ایک عالمی اور جہانی نظریہ ہے۔ لغوی معانی کے اعتبار سے اس کا تقاضا اطاعت و فرمانبرداری اور اس کا نتیجہ امن و سلامتی ہے۔

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظریہ ملکیت ۱: ۲۹

۲۔ ایضاً

تسلیم و رضا کا اسوۂ کامل

خرم مراد

مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں پہلا وہ گھر خدا کا' جس کے گرد ان دنوں عشاقِ بے تاب کا ایک ہجومِ بے پناہ دنیا کے گوشے گوشے سے کھنچ کھنچ کر پروانہ وار جمع ہو رہا ہے' اور ہزاروں برس سے ہوتا چلا آرہا ہے' ہمارے لیے مرکزِ زندگی کا مقام رکھتا ہے۔ اس گھر کی غریب و سادہ و رنگین داستان کے ورق ورق پر آیاتِ بینات کا ایک اتھاہ خزانہ رقم ہے۔ ان آیات میں دیدہ و دل وا کرنے کے لیے' راہِ زندگی روشن کرنے کے لیے' اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے' بیش بہا دولت محفوظ ہے۔ اس گھر میں وہ زم زم ہی رواں نہیں ہے جو چار ہزار سال سے پیاسوں کی پیاس بجھا رہا ہے اور بجھاتا چلا جائے گا' بلکہ اس ہی سے ہدایت و برکت کا وہ زم زم بھی جاری ہوا ہے جس نے سارے جہانوں کی معنوی تشنگی دور کرنے اور ان کے قلوب و ارواح اور فکر و عمل کی سیرابی کا سامان کیا ہے۔ اور کیوں نہ ہو' کہ اس ایک گوشۂ مکان کے حصے میں یہ سعادت آئی ہے کہ خدائے لامکاں کی رحمتِ کاملہ نے اسیرِ مکان و زماں کو اپنا تقرب بخشنے کی خاطر اسے اپنا گھر بنا لیا ہے۔ (اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ آل عمران: ۹۶)

ان آیاتِ بینات میں سب سے نمایاں' اخلاص و محبت اور اطاعت و وفا کے وہ نقوش ہیں جو اس گھر کے ایک ایک پتھر پر' اور اس کے جوار میں ایک ایک چپے پر' سلسلۂ رشد و ہدایت کے امامِ اولیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے راہِ خدا میں اپنے مقامِ عالی سے ثبت کیے ہیں۔ انہوں نے ربِّ واحد کی بندگی کی خاطر وطن چھوڑنے کے بعد' اپنی یکہ و تنہا بیوی اور شیرخوار بیٹے کو اس گھر کے جوار میں لا بسایا' انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اس گھر کی دیواریں چنیں' انہوں نے اس گھر کی زیارت کے لیے مشرق و مغرب کو پکارا' انہوں نے اس گھر کو طواف' اعتکاف' قیام اور رکوع و سجود کا مرکز بنایا' یہیں انہوں نے بارگاہِ محبوب میں اپنے بیٹے کی قربانی پیش کی۔ انہوں

نے ہی مشیتِ الٰہی کی طرف سے اس گھر کو سلسلۂ رشد و ہدایت کے امامِ آخر صلی اللہ علیہ وسلم' اور امتِ مسلمہ کے ظہور کا مبدا و مرکز بنانے کے فیصلے کو' دعا کے رنگ میں' ثبت و ظاہر کر دیا۔

پھر اللہ کا یہ گھر' اور یہ البلد الامین ان تمام تابناک و بے مثال روایات کا حامل بھی بن گیا جو بعثتِ محمدیؐ' نزولِ قرآن' دعوتِ اسلامی' اور ہجرت و جہاد کے ابواب میں محفوظ ہیں۔ اس گھر کا کوئی پتھر ایسا نہیں' اس کے قرب میں کوئی چٹان اور سنگریزہ ایسا نہیں' جس کے دل میں ہدایت و دعوت اور ہجرت و جہاد کا کوئی نہ کوئی نقش محفوظ نہ ہو' اور جویا و پیاسا اسے پا نہ سکتا ہو۔ سوچیے تو یہ بھی وراثتِ ابراہیم ہی ہے۔ (مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ۔ الحج:۷۸)

حضرت ابراہیمؑ نے اس گھر کو' اور اس شہر کو ایسا جائے امن بنایا کہ جو اس میں داخل ہو جاتا ہے' اس کے جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں' اور ہمیشہ سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ مگر انہوں نے اس گھر میں ہدایت کا جو مرکز قائم کیا' صرف وہ مرکز ہی ایک ایسا مرکز ہے جہاں انسان داخل ہو تو اس کے قلب و روح' فکر و سوچ' اخلاق و کردار' شخصی زندگی اور حیات اجتماعی' سب محفوظ و مامون ہو جاتے ہیں۔ اگر کہیں انسان خوف و حزن' ظلم و فساد' اور دنیا و آخرت کے بگاڑ اور تباہی سے امن حاصل کر سکتا ہے تو اس بناء ہدایت میں داخل ہو کر جو عالمِ معنوی میں خانۂ کعبہ کی مثال ہے۔ (وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا۔ آل عمران:۹۷)۔

صراطِ مستقیم پر چلنے کے لیے' اس لیے یہ ضروری ہوا کہ جو پہنچ سکتا ہو وہ کم سے کم عمر میں ایک دفعہ' حضرت ابراہیمؑ کی طرح گھر بار ترک کر کے' طویل مسافت طے کر کے' لباسِ دنیا اتار کے' اللہ کے اس گھر تک ضرور پہنچے' اور یہاں فیض کا جو چشمہ بہہ رہا ہے اس میں ضرور غوطہ لگائے۔ اس گھر پر وہ اپنے دل کا لنگر ڈال دے' اس کو نگاہوں میں بسا لے کہ اس کو دیکھنا بھی عبادت ہے' اس کے چاروں طرف چکر کاٹے' اس کے در و دیوار سے چمٹے' اس کے جوار میں پہاڑیوں پر چڑھے' وادیوں میں چلے اور رب البیت کے دربارِ عرفات میں حاضر ہو جائے۔ (وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا۔ آل عمران:۹۷)

لیکن نہ ہر شخص پہنچ جانے کی استطاعت رکھ سکتا ہے' نہ عمر میں صرف ایک دفعہ ہو آنا اس چشمۂ ہدایت سے فیضِ مطلوب حاصل کرنے کے لیے کفایت کرتا ہے۔ جو ھُدًی لِلْعالمین ہے اس کے ساتھ تو زندگی کے ہر لحہ مربوط رہنا ناگزیر ہے۔ چنانچہ یہ بھی ضروری ہوا کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی ہو' اور جس حالت میں بھی ہو' ہر روز پانچ دفعہ' دنیا کا ہر شغل اور ہر دلچسپی ترک

کر کے (جس طرح حج کے لیے کرتے ہو)' اس برکت و ہدایت کے گھر کی طرف رخ کرو' سامنے اسی گھر کو رکھو' نگاہیں اسی پر جماؤ۔ (وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ البقرہ: ۱۴۴)

بیت اللہ کے حج کو جانا' عمر بھر جانے کی آرزو اور شوق میں سلگتے رہنا' گویا کہ اس کو اپنی سعی و طلب کا مقصود بنانا' اور ہر روز پانچ دفعہ اس کی طرف رخ کرکے اپنے رب کے سامنے جھکنا اور بچھ جانا اور اس سے ہمکلام ہونا' گویا کہ اس کو اپنے دل و نگاہ کا مرکز بنانا' ایسے اعمال ہیں جو ہماری زندگیوں کو رخ' رنگ اور ساخت عطا کرتے ہیں۔ ان دنوں جب حج کا موسم ہے اور زائرین اس شمع کے گرد ہجوم کر رہے ہیں' ہمیں آگاہ ہونا چاہیے کہ اس گھر میں' اس کی تاریخ میں' اس کی روایات میں' اس میں ثبت کردہ نقوش و آثار میں' برکت و ہدایت اور آیاتِ بینات کے کیسے کیسے بیش بہا خزانے ہیں جو ہماری جستجو کے منتظر ہیں' اور جن سے ہمیں اپنی جھولی بھرنا چاہیے۔

بر و بحر میں فساد کا تلاطم ہو' ہمارے گھروں میں ظلم اور فتنہ کی طغیانی ہو' امت ذلت و مسکنت کے شکنجہ میں کسی ہوئی ہو' اغیار کا غلبہ و تسلط ہو' باہمی افتراق و عداوت ہو' خونِ مسلم کی ارزانی اور عزتِ مسلم کی پامالی ہو' امتِ مسلمہ کا احیا مقصود ہو' جس طرح بچہ کو ماں کے سینے سے چمٹ کر ہی امن و اطمینان نصیب ہوتا ہے' انسانیت اور امتِ مسلمہ کو امن اور فلاح' بیت اللہ کی دی ہوئی ہدایت سے چمٹ کر ہی نصیب ہو سکتی ہے۔

خدائے لامکاں کسی مکان میں سما نہیں سکتا۔ بیت اللہ تو ایک علامت ہے ایک شعار ہے' اور اس لیے ہے کہ مرکزِ دل' محبوبِ نظر' مقصودِ سعی وجہد' اللہ اور صرف اللہ' بن جائے۔ جو اللہ کو مضبوطی کے ساتھ تھام لے' اسی کے ساتھ جڑ جائے' اس طرح تھام لے اور جڑ جائے جس طرح کہ اللہ کا حق ہے' وہی صراطِ مستقیم پا لیتا ہے (وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ آل عمران: ۱۰۱) ہدایت کوئی لیبل چسپاں کر لینے سے حاصل نہیں ہوتی' وہ یہودی کا لیبل ہو نصرانی کا' یا محمدی کا۔ نہ ہدایت خانہ کعبہ کا چکر کاٹ آنے سے ملتی ہے' نہ اس کی طرف منہ کر لینے سے۔ ہدایت تو حضرت ابراہیمؑ کی طرح اللہ کا حنیف بندہ بن جانے کا نام ہے' جس میں شرک کی گندگی کا شائبہ تک بھی نہ ہو (بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ البقرہ: ۱۳۵)

حضرت ابراہیمؑ حنیف تھے۔ یعنی وہ سب کچھ چھوڑ کر صرف اللہ کے بن گئے تھے' اس کے

ہو رہے تھے' اور اللہ کے سوا کسی کے نہ رہ گئے تھے۔

انہوں نے ہر ڈوبنے والی چیز کی' اور ماسوا اللہ ہر چیز ڈوبنے والی اور فنا ہونے والی ہے' محبت ترک کر کے' تمام چمکتے دمکتے چاند' سورج اور ستاروں کا طلسم توڑ کے' اپنا اور اپنی زندگی کا رخ صرف اللہ کی طرف کر لیا تھا' سب سے بڑھ کر صرف اس کی محبت اپنے دل میں بسا لی تھی' صرف اس کو طلب و سعی کا مرکز بنا لیا تھا' صرف اسی پر نگاہیں جما دی تھیں' یا یوں کہیے صرف اسی کو اپنی شخصیت اور زندگی کا قبلہ بنا لیا تھا' اور اس رخ میں' توجہ میں' وابستگی میں' اللہ کے علاوہ اور کوئی رخ نہ تھا جو شریک ہو۔

انہوں نے اپنا سب کچھ اپنے رب کے حوالے کر دیا تھا' اور کوئی چیز اس سے بچا کر نہ رکھی تھی ——— اپنے علاقے اور محبتیں' اپنا گھر اور وطن' اپنی بیوی اور بیٹے' اپنی دنیا اور اپنی متاع ——— پرستش بھی اس کی' ہر چیز اس کے اشارے پر حاضر اور قربان بھی' زندگی بھی اسی کی' موت بھی اسی کی۔ اور اس خود سپردگی میں بھی شمہ برابر حصہ اللہ کے علاوہ اور کسی کے لیے نہ لگایا تھا۔

وہ اپنے رب کے ہر حکم کی فرمانبرداری کے لیے ہر وقت مستعد اور حاضر تھے۔ آگ میں بے خطر کود پڑنے کا حکم ہو' گھر اور وطن چھوڑ کر نکل جانے کا حکم ہو' باپ کے لیے استغفار تک ترک کر دینے کا حکم ہو' تمام معبودان باطل سے اعلانِ برأت و عداوت کا حکم ہو' اہل و عیال کو وادی غیر ذی زرع میں بسانے کا حکم ہو' پتھروں سے اللہ کے گھر کی دیواریں چننے کا حکم ہو' اکلوتے اور محبوبِ نور نظر کے گلے پر چھری چلانے کا حکم ہو۔ ان کی زبان پر ہر وقت لبیک تھا' وہ ہر وقت حاضر تھے' ان کی ہر چیز حاضر تھی۔

توحیدِ خالص' ریاضی کے فارمولے کی طرح' اللہ کو ایک مان لینا نہیں' بلکہ حضرت ابراہیمؑ کی طرح سب کچھ چھوڑ کر صرف اسی کا بن جانا اور اسی کا ہو کر رہنا ہے۔ بیت اللہ کی آیاتِ ہدایت میں سب سے نمایاں اور سب سے اہم حضرت ابراہیمؑ کا یہی اسوۂ بندگی ہے جو "اسلام" اور حنیفیت سے عبارت ہے۔ حج اور استقبالِ قبلہ کا عمل ہمیں بندگیٔ رب کے اس رنگ میں رنگنے ہی کے لیے ہے' جس کی شان حضرت ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ نے اپنی توحیدِ خالص' اخلاص و وفاداری' فرمانبرداری اور یکسوئی سے قائم کی۔ یہی رنگ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے' یہی اس کو مطلوب ہے' یہی اس کے ہاں مقبول ہے۔ اس رنگ میں رنگ جانے والوں ہی سے وہ راضی ہوتا ہے۔ انہی سے دنیا میں علو و امامت کا وعدہ ہے' اور آخرت میں جنت کے انعام سے سرفرازی

کا۔

ہم حج بھی کریں' عمروں کے لیے بھی جائیں' منہ کعبہ شریف کی طرف کر کے نمازیں بھی پڑھیں' مگر ہم پر وہ رنگ نہ چڑھے جو حضرت ابراہیمؑ کا رنگ تھا' تو اس سے بڑھ کر ہماری حرماں نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے' اور جو حرماں نصیبی ہمارا مقدر بن گئی ہے اس کا سبب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ہم سے دنیا میں جو وعدے ہیں ---- استخلاف فی الارض کا وعدہ ہے' غلبہ دین کا وعدہ ہے' خوف سے نجات اور امن سے ہم کنار کرنے کا وعدہ ہے---- وہ سب وعدے اس شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ ہم اللہ کے ایسے بندے بن جائیں کہ بندگی اور کسی کے لیے نہ ہو۔ (یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا النور:۵۵)

مشرق سے لے کر مغرب تک نظر ڈال لیجیے! کیا امتِ مسلمہ میں حضرت ابراہیمؑ کا کوئی ایسا رنگ ہے جو غیر مسلموں اور مشرکوں کے رنگ سے الگ ہو۔ اپنے دلوں کو دیکھیے' انہی کی طرح بے شمار ٹکڑوں میں منقسم ہیں اور ہر ٹکڑے میں ایک الگ معبود بیٹھا ہوا ہے۔ اغراض و مقاصد پر نظر ڈالیے' انہی کی طرح وہ بھی ان گنت ہیں اور ان میں سب سے کم مقام ان کا ہے جو اللہ کے نزدیک محبوب ترین ہیں۔ نماز میں بیشک ہمارا منہ قبلہ کے علاوہ کسی اور طرف نہیں ہوتا' لیکن زندگی میں تو انہی کی طرح ہمارے بہت سے قبلے ہیں جو ہماری توجہات اور وابستگیوں کا مرکز ہیں۔ زبان پر بیشک لبیک ہے' لیکن ہم نہ خود اپنے کو' نہ اپنی کسی محبوب چیز کو' اللہ کے لیے حاضر کرنے کو تیار ہیں۔ ہر حکم کی تعمیل میں ہماری اپنی کسی نہ کسی خواہش' پسند و ناپسند' محبوب و مبغوض کی قربانی دامن گیر ہو جاتی ہے' یا ہزاروں اندیشے اور خوف ہمیں چاروں طرف سے گھیر کر ہماری راہ مسدود کر دیتے ہیں۔ حج ہو یا استقبالِ قبلہ' بے جان مراسمِ عبادت نہ ہمارے قلوب کو بیدار کرتے ہیں' نہ نگاہوں میں پاکیزگی و یکسوئی پیدا کرتے ہیں' نہ عمل میں صالحیت۔ یہ نہ ہماری سوچ بدلتے ہیں' نہ شخصیت نہ زندگی۔

بیت اللہ کی آیاتِ بینات میں سے یہ بھی ہے کہ ہمہ اقتدار و ہمہ اختیار حیّ و قیوم خدا' جو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا بلاشرکت غیرے مالک کل ہے' اور جس کی کرسی' اقتدار سب کو سمیٹے ہوئے ہے' وہ جب چاہے موت کو زندگی سے' زندگی کو موت سے' اندھیروں کو روشنی سے' روشنی کو اندھیروں سے' عزت کو ذلت سے' اور ذلت کو عزت سے' بدل دیتا ہے۔ جو اس کے ساتھ ایمان اور بندگی کا رشتہ قائم کر لے' اسے ہر اندیشہ اور خوف سے' ہر

حزن و غم سے' ہر حسرت و یاس سے پاک ہونا چاہیے۔

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیمؑ جب حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو مکہ میں بسانے کے لیے آئے تو وہاں نہ انسان کا نام و نشان تھا' نہ پانی کا' نہ زراعت کا' نہ خوردو نوش کا کوئی انتظام' ایک تھیلی (جراب) کھجوروں کی' اور ایک مشکیزہ پانی کا' بس یہ کل کائنات تھی جو وہ ان کے پاس چھوڑ کر چلے۔ حضرت ہاجرہؑ نے بار بار پوچھا کہ ہمیں ایسی وادی میں چھوڑ کر آپ کہاں چلے' جہاں نہ آدم نہ آدم زاد' نہ کوئی اور چیز۔ کوئی جواب نہ پایا تو سوال کیا' کیا اس کا حکم آپ کو اللہ نے دیا ہے؟ فرمایا' ہاں۔ یہ سن کر وہ اطمینان و سکون اور امن کی اس جنت میں داخل ہو گئیں' جس کا باغ ان کے اندر لہلہا اٹھا۔ یہ جنت کیا تھی؟ فرمایا' **اِذَنْ لَا یُضَیِّعُنَا** (پھر تو وہ ہم کو ضائع نہ کرے گا)۔ بخاری کی ایک دوسری روایت کے مطابق' حضرت ہاجرہؑ کے پوچھنے پر کہ ہمیں کس پر چھوڑ کر جارہے ہو' حضرت ابراہیمؑ نے کہا' اللہ پر۔ یہ سن کر وہ پورے سکون و اطمینان سے بولیں' **رَضِیْتُ بِاللّٰہِ** (میں اللہ پر راضی ہوں)۔

اللہ پر یقین اور اعتماد' اللہ پر بھروسہ اور توکل' اللہ کے ہر فیصلہ پر خوش' بندگی رب کی یہ کیفیت تھی کہ ایک یکہ و تنہا عورت اپنے شیر خوار بچے کے ساتھ' پتھریلے بیابان میں' بھیانک اور ڈراؤنی راتیں' تپتے ہوئے دن' موذی جانور' چور اور ڈاکو' سب کے باوجود' اطمینان اور امن کی کیفیت سے مالا مال تھی۔ معاش کا بندوبست بھی کھجوروں کی ایک تھیلی اور پانی کے ایک مشکیزہ سے زائد کچھ نہ تھا۔ پھر بیت اللہ کی تاریخ گواہ ہے کہ جہاں کوئی وسائل نہ تھے' کوئی اسباب نہ تھے' کوئی سہارا نہ تھا' صرف خطرات ہی خطرات تھے' وہاں خدائے حی و قیوم چار ہزار سال سے سب کچھ بخش رہا ہے۔ جہاں کوئی انسان نہ تھا' وہاں لاکھوں انسان دنیا بھر سے چلے آرہے ہیں۔ جہاں نہ پانی تھا نہ کھانا' وہاں ہر قسم کا خوردو نوش کا سامان پایا جاتا ہے۔

یہ علم ہو جانے کے بعد' پیغمبر کی زبان سے کہ جس کا علم غیر مشتبہ ہے' کہ یہ خدا کا حکم ہے' کچھ مادی وسائل نہ ہونے کے باوجود' دنیا بھر میں یکہ و تنہا ہونے کے باوجود' ہر قسم کے سنگین اور مہیب خطرات اور اندیشوں کے سامنے ہوتے ہوئے' اطاعت و فرمانبرداری کی راہ چل پڑنا ہی حکمت و دانائی کا راستہ ہے۔ یہی حکمت و دانائی راسخ ہونا چاہیے اس میں جو چشم سر سے بیت اللہ کو دیکھے' اور پانچ وقت اس کی طرف رخ کرے۔ کیا ہم اغیار کے علم و حکمت سے جھولیاں بھرنے کے بعد' اپنی اس سب سے بیش بہا متاعِ حکمت کو کھو نہیں بیٹھے ہیں؟

حج کے تقریباً سارے ارکان، سعی، جہد، اور حرکت پر مشتمل ہیں۔ گھر سے نکلنا، سفر کرنا، بیت اللہ کے گرد طواف کرنا، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، مکہ سے نکل کر منیٰ میں ڈیرے ڈالنا، اگلے دن ہی وہاں سے کوچ کر دینا اور عرفات میں جمع ہو جانا، مغرب ہوتے ہی عرفات سے چل دینا، رات کی چند گھڑیاں مزدلفہ میں گزار کے صبح ہی صبح منیٰ واپس پہنچ جانا، پھر مکہ جا کر طواف اور سعی کرنا۔

بندگیٔ رب کا خلاصہ بھی یہی ہے۔ اللہ کے ہر حکم اور پکار پر لبیک کہنا، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے کھڑے ہو جانا، جو کچھ بھی میسر ہو اور جس حالت میں بھی ہو، تعمیل حکم کے لیے نکل پڑنا، اپنی طرف سے کوشش اور جہد میں کوئی کسر نہ چھوڑنا، وسائل زیادہ سے زیادہ جمع کرنا اور ہر ممکن بہتر سے بہتر تدبیر کرنا مگر بھروسہ اور نظر صرف تدبیر رب پر رکھنا، اور جو کچھ کرنا صرف رب کے لیے کرنا۔

حج میں سارے اعمال، ان صفات کے راسخ کرنے ہی کا کام نہیں کرتے، بلکہ ان اعمال میں حضرت ابراہیمؑ کا اسوہ کامل بھی برابر تازہ کرتے ہیں، اور اسے نگاہوں کے سامنے لاتے ہیں۔ پتھر کے ایک معمولی سے گھر کو یہ مقام، قبولیت، محبوبیت اور مرجعیت حاصل ہوئی تو اس میں اس مشن کو بھی دخل تھا جس کے لیے انہوں نے یہ گھر تعمیر کیا اور یہاں اپنی ذریت کو بسایا، اور اخلاص نیت و عمل کو بھی۔ مکان بنوانے والے نے آغاز ہی میں ہدایت کر دی تھی کہ "میری بندگی میں کسی کو شریک نہ بنانا" (الحج)، اور میرے گھر کو طواف و اعتکاف اور رکوع و سجود کے لیے پاک و آباد رکھنا (البقرہ)۔ انہوں نے اپنے عزائم اور تمناؤں کا اظہار بھی واشگاف الفاظ میں فرمایا تھا۔ یہ کہ "مجھے اور میری نسلوں کو اصنام پرستی سے بچانا"" اور یہ کہ "وہ نماز قائم کریں" (ابراہیم)، یہ کہ "ہماری ذریت بھی تیری فرمانبردار رہے"۔ اس گھر کو بناتے ہوئے جو دعا لبوں پر جاری تھی وہ صرف رب کے نزدیک قبولیت کی تمناؤں پر مشتمل تھی۔ (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ البقرۃ ۲: ۱۲۷) اس کے علاوہ نہ کسی کی خوشنودی مطلوب تھی، نہ کسی کے صلہ و انعام پر نظر تھی۔

اس گھر کی آیات میں ایک روشن پیغام سعی کے اس عمل کے اندر بھی ہے جو صفا اور مروہ کے درمیان کی جاتی ہے۔ یہ یادگار ہے اس بھاگ دوڑ کی جو حضرت اسماعیلؑ کو پیاس سے جاں بلب دیکھ کر حضرت ہاجرہؑ نے صفا اور مروہ کے درمیان کی۔ کبھی صفا پر چڑھتیں، کبھی بھاگ کر جاتیں اور مروہ پر چڑھتیں۔ سعی کا پیغام یہ بھی ہے کہ اللہ کو ہم سے ارادہ کے ساتھ ساتھ سعی

بھی مطلوب ہے' عمل اور کوشش بھی مطلوب ہے' اور اسی پر وہ نتائج مرتب فرماتا ہے۔ "ہر انسان کے لیے وہی ہے جس کے لیے وہ سعی کرے" (النجم)' اور "جو آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لیے سعی کرے جیسا کہ سعی کرنے کا حق ہے..... اس کی کوشش کی پوری پوری قدردانی کی جائے گی۔" سعی کا پیغام یہ بھی ہے کہ جب بندہ اپنی بندگی کو اللہ کے لیے خالص کرے' اور حتی المقدور کوشش میں اپنے کو لگا دے' تو اس کا رب اک پتھریلی وادی میں شیر خوار بچے کی ایڑیوں تلے بھی کبھی ختم نہ ہونے والا چشمہ جاری کر دیتا ہے۔

امت مسلمہ کی کشتی آج جس بھنور میں پھنسی ہوئی ہے' کیا وہ اس سے اپنے ہمہ اقتدار و اختیار رب پر ابراہیمؑ و ہاجرہؑ کی طرح کلی بھروسہ کیے بغیر' اس کی فرمانبرداری کی راہ میں ان کی طرح اپنا سب کچھ حاضر کیے بغیر' اور اس راہ میں جان و مال سے سعی و جہد کیے بغیر' نکلنے کی کوئی راہ پا سکتی ہے؟ کیا جس کی نظر کے سامنے ہر روز پانچ مرتبہ بیت اللہ کی آیات بینات کو سامنے لانے کا اہتمام کیا گیا ہو' اس کی نفسیات میں ان سوالوں کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے کہ ایسی خراب قوم کیسے سدھرے گی' ایسے تاریک حالات کیسے بدلیں گے' ایسے بنجر اور سنگلاخ معاشروں میں نیکی کے چشمے کیسے پھوٹیں گے' ایسے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں روشنی کی کرن کیسے اور کہاں سے طلوع ہو گی' جبر و استبداد کی چٹانوں میں سے راستہ کیسے نکلے گا' حقیر کوششیں کیسے رنگ لائیں گی' زبردست طاقتوں کا مقابلہ کیسے ہوگا؟ اگر ایک عورت کا یہ یقین کہ **اِذَنْ لَا یُضَیِّعُنَا** (پھر اللہ ہم کو ضائع نہ کرے گا)' اور یہ اعلان کہ **رَضِیْتُ بِاللّٰہ** (میں اللہ سے راضی ہوں)' اور اس کی صفا اور مروہ کے درمیان سعی وجہد کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ پتھروں کے ایک معمولی گھر کو یہ مقام عطا کر سکتا ہے' اور سنگلاخ زمین سے زم زم کا چشمہ رواں کر سکتا ہے' تو آج کی دنیا میں دین کو غلبہ کیوں حاصل نہیں ہو سکتا' اور ظلم و فساد سے بھری ہوئی دنیا میں نیکی کا چشمہ کیوں نہیں پھوٹ سکتا؟

دینے والا عاجز و درماندہ نہیں' نہ وہ اونگھ اور نیند کا شکار ہوتا ہے' لینے والے ہی عاجز و درماندہ ہو گئے ہیں' اپنے مقاصد سے اور اپنی قوت و سربلندی کے اصل خزانوں سے غافل ہو کر نیند میں مدہوش ہیں۔ سعی و عمل اور اخلاص و وفا کی جو دنیا ان سے مطلوب ہے اس کو انہوں نے اپنے ارادہ و اختیار سے باہر سمجھ کر رکھا ہے۔ انسانیت ہدایت کے لیے جاں بلب ہے' فساد کے بیابان میں زیر زمین امن کا چشمہ موجود ہے' مگر یہ دور اپنے ابراہیمؑ کا منتظر ہے۔

حج کا دن تکمیل دین اور اتمامِ نعمت کی بشارت کا دن بھی ہے۔ اس سے اگلے دن ہی ساری

دنیا کے مسلمان عید الاضحیٰ کا جشن مناتے ہیں، اور اللہ کے حضور قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ کیا ان کے درمیان ربط کا ادراک بہت مشکل ہے۔ نزولِ قرآن کے آغاز کے دن، ضبطِ نفس اور تقویٰ، تلاوتِ قرآن اور قیامِ لیل کے ذریعہ قربِ الٰہی کے حصول کے لیے، وقف کیے گئے۔ تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت کے دن، قربانی اور حبِّ الٰہی کے حصول کے لیے مختص کیے گئے۔

تکمیل و اتمام بغیر قربانی کے ممکن نہیں، اور قربانی بغیر محبت کے ممکن نہیں۔ اسی لیے حج کے مناسک تمام تر عشق و محبت پر مشتمل ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں

> حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا گیا کہ سال میں ایک دفعہ اپنے کو سرگشتہ و شیدا بنا کر، دیوانوں کی طرح اور عشق بازوں کا وطیرہ اختیار کرکے، محبوب کے گھر کے گرد ننگے پاؤں، الجھے ہوئے بال، پریشان حال، گرد میں اٹے ہوئے، سرزمینِ حجاز میں پہنچیں، اور وہاں پہنچ کر کبھی پہاڑ پر، کبھی زمین پر، محبوب کے گھر کی طرف رخ کرکے کھڑے ہوں .... اس خانۂ تجلیات کے اردگرد چکر لگائیں، اور اس کے گوشوں کو چومیں چاٹیں۔

اسی محبت کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ میں یہ استعداد پیدا ہوئی کہ وہ ہر محبوب چیز کو اس کے لیے قربان کر دیں جو ایمان لاتے ہی سب سے بڑھ کر محبوب ہو جاتا ہے۔ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ**۔ اور جب محبت کی آخری آزمائش آئی، بیٹے کو قربان کر دینے کے لیے کہا گیا، تو انہوں نے بیٹے کے گلے پر بھی چھری رکھ دی۔ جب وہ محبت کی ان ساری آزمائشوں میں پورے اترے (**فَاَتَمَّهُنَّ**) تو اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ نعمت بھی تمام کر دی جو دین کی نعمت کے اتمام کے ساتھ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ہے۔

> **وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ**
>
> "یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا، تو اس نے کہا: "میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں" (البقرہ ۲:۱۲۴)

جو ایک مکمل دین کے حامل ہونے کا دعویٰ کرتے نہیں تھکتے، ان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب تک وہ محبت کے اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے تیار نہ ہوں گے کہ "کیا کوئی بھی چیز ایسی ہے جو اللہ، اس کے رسولؐ، اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہے؟" اس وقت تک ان کے سروں پر سے امرِ الٰہی ٹل نہیں سکتا، اور وہ وعدۂ الٰہی کے مستحق ہو نہیں سکتے۔

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، صبرِ حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

(مرتبہ: خرم مراد)

راہِ انبیاءؑ پر سفرِ شوق

سیّد مناظر احسن گیلانیؒ

گرمی کا موسم تھا۔ذوالحلیفہ' جسے اس زمانہ میں بیرِ علیؓ کہتے ہیں' اس کی مسجد کے عقب میں صاف وشفاف شیریں پانی سے چھلکتی ہوئی باوڑی میں غوطے لگا لگا کر' اور جو تیرنا جانتے تھے انہوں نے تیر کر' احرام سے پہلے غسل مسنون کی مسرت حاصل کی۔احرام باندھ کر اور دوگانہ ادا کر کے یکایک ہم میں ہر ایک یہ محسوس کرنے لگا کہ اِحرام سے پہلے وہ جو کچھ تھا' اِحرام کے کپڑوں کے پہن لینے کے بعد اب وہ باقی نہیں رہا ہے۔سینوں سے زبان پر' اور زبانوں سے ذوالحلیفہ کی قدوسی فضاؤں میں'

لَبَّیکَ' اَللّٰھُمَّ لَبَّیکَ' لَبَّیکَ لَا شَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ
اِنَّ الحَمْدَ وَالنِّعمَۃَ لَکَ وَالْمُلکَ لَا شَرِیکَ لَکَ

کی صدا گونجنے لگی۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سینے پھٹ جائیں گے' روحیں عنصری قفس کو توڑ کر نکل پڑیں گی۔ محسوس ہوتا تھا کہ گویا ہر احرام باندھنے والے کے ہر بُنِ مُو سے وہی نغمہ داؤدی ابل رہا ہے جو آج بھی حضرت داؤد پیغمبر علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوبہ کتاب زبور میں بایں الفاظ پایا جاتا ہے۔ یہ "وادیٔ بکّہ" والا مشہور مزمور (۸۴) ہے۔

۱۔ اے لشکروں کے خداوند' تیرا مسکن کیا ہی دلکش ہے۔میری جان' خداوند کی بارگاہوں کے لیے بے چین اور آرزو مند ہے۔میری روح' اس کے لیے گداز اور پگھلتی چلی جاتی ہے۔

۲۔ میرا من' میرا تن' زندہ خدا کے لیے للکارتا ہے۔

۳۔ اے لشکروں کے خداوند' اے میرے بادشاہ! اے میرے خدا! تیری قربان گاہوں کے پاس گوریّا نے اپنا آشیانہ اور ابابیل نے اپنا گھونسلہ پایا ہے' جہاں وہ اپنے بچوں کو

رکھے۔ مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں رہتے ہیں' وہ سدا تیری حمد کریں گے۔

۴۔ مبارک ہے وہ آدمی جس میں قوت تجھ سے ہے' ان کے دل میں تیری راہیں ہیں۔

(۵) وہ وادیٔ بکّہ سے گزر کر ایک کنواں بناتے' پہلی برسات اسے برکتوں سے ڈھانپ لیتی۔

(۶) وہ قافلہ بہ قافلہ ترقی کرتے جاتے ہیں۔

سی قسم کے فقروں کے بعد آخر میں ہے۔

ایک دن جو تیری بارگاہوں میں کٹے ایک ہزار سے بہتر ہے۔ میرے لیے خدا کے گھر کی (یعنی بیت اللہ کی) دربانی' شرارت کے خیموں میں رہنے سے بہتر ہے۔کیونکہ خداوند ایک آفتاب ہے' اور ڈھال ہے۔خداوند فضل و جلال بخشتا ہے' ان لوگوں سے جو سیدھی چال چلتے ہیں' کوئی اچھی چیز دریغ نہ کرے گا۔اے لشکروں کے خداوند' مبارک ہے وہ انسان جسے تیرا بھروسہ ہے۔(زبور ۸۴)

اور داؤدؑ ہی کیا' صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ میدانِ عرفات میں بعض دعاؤں کے متعلق سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرماتے جاتے تھے کہ

ھذہ دعائی ودعاء الانبیاء من قبلی

میری اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کی (جو اس مقام پر آئے) یہی دعا تھی۔

اور یہ روایت تو بخاری و مسلم میں پائی جاتی ہے' حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وادی سے گزر رہے تھے جس کا نام وادیٔ ازرق ہے' اور مکّہ مدینہ کے راستہ میں ملتی ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسی وادی ہے۔لوگوں نے کہا کہ وادی ازرق ہے۔یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ مجھے کچھ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ

اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈالے' لَبَّیْکَ' اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ (حاضر ہوا' اے اللہ حاضر ہوا) کے نالہائے زار کے ساتھ خدا کو پکارتے ہوئے' موسیٰؑ اس گھاٹی میں اتر رہے ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ وادیٔ ازرق (نیلی ندی) سے پار ہو کر رسول اللہ علیہ وسلم ایک ثنیہ (موڑ) پر پہنچے۔ دریافت فرمانے پر اطلاع دی گئی کہ اس ثنیہ کا نام ہرشا یا لفت ہے۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ خمیدہ' گھونگھر والے بالوں والی' سرخ رنگ کی اونٹنی پر یونس

بن متی علیہ السلام اسی گھاٹی سے لبیک کہتے ہوئے گزر رہے ہیں۔ان پر ایک اُونی جُبّہ پڑا ہوا ہے' اور اونٹنی کی نکیل رسی کی ہے۔

بخاری کی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بھی اسی رنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دیکھو' بخاری' کتاب اللباس)

انبیاء کے ہم رکاب

اب یہ تو اللہ اور اللہ کے رسولؐ ہی جانتے ہیں کہ اس "مشاہدہ" یا "رویت" کی نوعیت کیا تھی۔ "کَاَنِّی اَنْظُرُ" (گویا میں دیکھ رہا ہوں) کے الفاظ جو حدیث میں پائے جاتے ہیں اسی سے بعضوں نے یہ سمجھنا چاہا کہ گزرے ہوئے واقعہ کی یاد حافظے میں کسی وجہ سے جو تازہ ہو جاتی ہے اور عہد ماضی کا واقعہ سامنے آ جاتا ہے' کچھ یہی صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آئی تھی۔ مگر علماء کا بڑا طبقہ قائل ہے کہ

حضرات انبیاءؑ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں' روزی پاتے ہیں۔ پھر اس میں کیا حرج ہے کہ موسم حج میں حضرات انبیاءؑ بھی اس روحانی زندگی کے ساتھ شریک ہوتے ہوں۔خود ان ہی موسیٰؑ کو رسول اللہؐ نے معراج کے موقعہ پر اس حال میں بھی پایا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں (فتح الباری ج ۳: ص ۳۲۳)

کچھ بھی ہو' مطلب یہ ہو' یا وہ ہو' میری غرض تو صرف اتنی ہے کہ کرۂ زمین کا پہلا گھر قرآن کی رو سے جو ٹھہرایا گیا ہے' ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے اس گھر کی حاضری کا شرف حضرات انبیاءؑ بھی حاصل کرتے رہے ہیں۔اور سچ تو یہ ہے کہ الناس (سارے انسانوں) کے امام بنانے کا وعدہ جس سے کیا گیا' وہی ابراہیمؑ جب کعبہ کے معمار بنے' اور ان کی یہی امامت کبریٰ عملی شکل میں جب "العالمین کے لیے رحمت" بن کر جلوہ پرواز ہوئی' تو دیکھا گیا کہ

یقُولُ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لاَ شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لاَ شَرِیْکَ لَکَ (صحاح)

وہ بھی کہہ رہے ہیں' حاضر ہوا' حاضر ہوا' تیرا کوئی ساجھی نہیں' حاضر ہوا' ساری ستائش تیرے ہی لیے ہے' ساری نعمتیں تجھی سے ہیں' راج تیرا ہی ہے' تیرا کوئی شریک نہیں۔

پھر دوسرے پیغمبروں اور رسولوں کی حاضری پر تعجب ہی کیوں کیا جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ نادیدہ

مثالی ہستیوں کے معائنہ کا احساس اگر ہم میں بھی زندہ ہوتا تو شائد ہم بھی وادی ازرق اور ہرشا کے موڑ پر ان بزرگوں کو پا سکتے تھے جو حج کے موسم میں اس علاقے کے اندر پھیل جاتے ہیں۔ دیکھنے والوں نے تو اپنی کتابوں میں یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے بھی طواف کے وقت ان کی ملاقات ہوئی۔

علم صحیح کا سرچشمہ

لیکن یہ سارا قصہ تو علم واحساس کے ذرائع کی کمی و بیشی کے ساتھ وابستہ ہے۔خیال آتا ہے' مدت ہوئی ویول نامی کسی انگریز کا سفرنامہ میں نے پڑھا تھا۔غالباً" ۱۹۱۱ یا ۱۹۱۰ میں بھیس بدل کر حجاز کا سفراس انگریز نے کیا تھا' اور حجاج کے قافلہ میں شریک ہو کر مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ پہونچا تھا۔اس کے پاس بینائی' شنوائی' ذوق' لمس ' الغرض عام انسانی کہیے یا حیوانی حاسے موجود تھے' لیکن "اَشھدُانَّ مُحمّدً رسُولُ اللّٰہ" (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں) کا اقراروا‌عتراف اچانک جس جدید حاسہ کا اضافہ آدمی میں کر دیتا ہے' بدبخت انگریز سیاح اس ایمانی حاسہ سے محروم تھا۔ان ہی حجاج کے ساتھ' جو لبیک کہتے ہوئے "اِنَّ المُلکَ لکَ" (راج تیرا ہی ہے) کی یافت اور مشاہدے سے سرفراز ہو رہے تھے' اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے علم کا ذریعہ بنا لینے کے بعد انکو یہی دکھایا جا رہا تھا' اس کے سوا اس جدید حاسہ کے رکھنے والوں کو' یہ واقعہ ہے کہ' اور کچھ سوجھتا بھی نہیں۔ لیکن نابینا اندھا ویول' جانتے ہیں' ان ہی دیکھنے والوں کے جھرمٹ میں شریک ہو کر' جیساکہ اس نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے' کیا سوچ رہا تھا۔اس نے لکھا ہے کہ

> میں اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ ان زائرین کے دل میں (جو ہندوستان سے اپنے خالق اور مالک کے آستانے پر حاضر ہوئے تھے ان ہی کے دل میں) کس قسم کے خیالات آتے ہوں گے جن کے ملک پر غیر قوم حکمراں ہے' جہاں اسلام کا وجود کم و بیش حکومت کے رحم و کرم پر ہے' اور حکام وقت ان کے عقائد کو تمسخر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ (ترجمہ اردو ' سفرنامہ ویول ص ۴۸)

اس کورنصیب' کوردیدہ' ویول غریب کو جب اسی کا پتہ نہ چل سکا کہ ۱۹۱۱ میں جس ملک کے باشندوں پر وہ ہنس رہا ہے' ۱۹۴۷ کی اگست میں وہی ملک اور اسی ملک کے باشندے اس پر اور اس کی قوم پر ہنسنے والے ہیں' اور ان ہی کا دین اور دھرم اس ملک میں دوسروں کے رحم و کرم پر رہ جائے گا جو دوسروں کے عقائد کو تمسخر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اللہ اللہ مستقبل کے گنے چنے چند

سالوں کا پردہ جس واقعہ پر پڑا ہوا تھا' ویول کی نگاہ جب ان پردوں کو بھی چاک نہ کی سکی' اور جو کچھ ہونے والا تھا اسے نہ دیکھ سکی' تو لہ الملک (راج اسی کا ہے) اس حقیقت کی یافت میں وہ کیسے کامیاب ہو سکتا تھا۔ وہ ان کو مالک سمجھتا تھا' زمین کا مالک سمجھتا تھا' برّ کا مالک سمجھتا تھا' بحر کا مالک سمجھتا تھا' جو غیروں ہی کی نہیں خود اپنی قوتوں کے بھی مالک نہ تھے۔ دوسرے کی بخشی ہوئی قوتوں کو انہوں نے باور کر لیا تھا کہ واقعی یہ ان ہی کی قوتیں ہیں۔ بغیر کسی معاوضہ کے بھیک میں ان کو ملا تھا' جو کچھ ملا تھا' پھر دینے والے نے اپنا دیا ہوا واپس لے لیا' تو کیا یہ کوئی نیا واقعہ تھا جو بنی آدم کے گھرانوں میں پیش آیا تھا!

گزشتہ رسالات اور نبوتوں کی نمائندہ' عالمگیر' آخری نبوتِ کبریٰ کا شاہد اور گواہ بن کر دیول' سوختہ اختر ویول بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے علم کا ذریعہ اگر بنا لیتا' تو یقین کیجیے کہ محمدؐ کی رسالت کے گواہوں کو جو کچھ دکھایا جاتا ہے' جو کچھ سنایا جاتا ہے' سب ہی کا دیکھنے والا سب ہی کا سننے والا وہ بھی بن جاتا۔ ازل بھی اس کے سامنے آ جاتا' اور ابد کی حقیقتیں بھی اس پر واشگاف ہو جاتیں' مشکوک باتیں یقینی' اور مشتبہ حقائق قطعی اس کے لیے بھی بن جاتے' جیسے آج غیب کے یہ سارے اسرار ان لوگوں کے لیے اسرار باقی نہیں رہے ہیں جو محمد رسول اللہؐ کی معصوم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں' اور ان ہی کے معصوم کانوں سے سن رہے ہیں۔

خیر میں کیا کہنے لگا۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ ذوالحلیفہ کی مسجد سے رخصت ہو کر ہم لوگ اپنی لاری میں احرام کے لباس کے ساتھ بیٹھ گئے۔ خوشی سے سینے معمور تھے۔ اس توفیق کا ہر ایک شکرگزار تھا کہ اسی مقام سے احرام و تلبیہ کا شرف ہمیں حاصل ہوا جہاں سے تیرہ سو سال پہلے حجۃُ الوداع کے احرام و تلبیہ کا تاریخی آغاز اس وقت ہوا تھا جب' بخاری کی روایت کے مطابق' دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ ابراہیمی مناسک کی تجدید اور بیت اللہ کی تطہیر کا علم بردار مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوا تھا' اور مستقبل کے اسی حیرت انگیز نظارہ سے متاثر ہو کر موسیٰ علیہ السلام نے صدیوں پہلے کہا تھا:

فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔

دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا (تورات استثنا ۲/۳۳)

بلبل کے لیے گل کے ہم قافیہ ہونے کا یہ امتیاز ہی ایسا امتیاز تھا جس کے تصور ہی سے مسرت کی لہریں دلوں میں موج مارنے لگتی تھیں!

اندر کی دنیا ۔

ہم بڑھے چلے جا رہے تھے' ان احساسات کے ساتھ بڑھے چلے جا رہے تھے جن سے نبوت کبریٰ کی شہادت قدرتاً" آدمی کو معمور کر دیتی ہے۔ ہم کچھ نہیں جانتے تھے اور نہ جاننا چاہتے تھے کہ باہر میں کیا ہے۔ اور باہر اگر ڈھونڈتے بھی تو بن کھیتی والے بیابان میں ہمیں ملتا ہی کیا۔ آسمان کے نیلگوں کناروں کے آغوش میں سبزہ وگیاہ سے خالی پہاڑوں اور چٹیل میدانوں کے سوا باہر میں اور کیا تھا۔

لیکن انسانی نفسیات باہر کی تابع ہوتی ہیں' یا اندر کی ؟ جس کے ہاتھ میں رسی ہو ' اگر غلطی سے اس کو وہ سانپ باور کر لے' لیکن آگاہی کے بعد جب وہی سمجھ جاتا ہے کہ جس چیز کو میں پکڑے ہوئے ہوں یہ سانپ نہیں بلکہ رسی ہے' تو میں پوچھتا ہوں کہ دونوں حالات میں اس قسم کی مختلف کیفیتوں سے آدمی کو جو دو چار ہونا پڑتا ہے کیا اس وقت باہر میں بھی کوئی چیز بدلتی ہے ؟ رسی یقیناً ہر حال میں رسی ہی رہتی ہے' اس وقت بھی وہ رسی ہی تھی جب سمجھنے والے نے اس کو سانپ سمجھ لیا تھا' اور جب یہ کھل گیا کہ سانپ نہیں ہے تو اس وقت بھی وہی رسی رہتی ہے جو پہلے تھی۔ تبدیلی جو کچھ بھی ہوئی وہ باہر میں نہیں اندر میں ہوئی۔ تڑپنے والا تڑپ رہا تھا' کانپ رہا تھا' چیخ رہا تھا' چلا رہا تھا' یہ سارے حالات سانپ باور کرنے کے زمانے میں طاری ہوئے تھے اور ہنسنے لگا' مسکرانے لگا' جب سمجھ گیا کہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ جسے میں سانپ سمجھے ہوئے تھا وہ تو رسی تھی' تو یقیناً یہ دونوں متضاد کیفیات اور متخالف واردات کسی بیرونی انقلاب کے نہیں بلکہ صرف اندرونی احساس کی تغیرپذیری ہی کے نتائج تھے۔

پھر لوگ " باہر " میں کیوں ڈھونڈتے ہیں' دیکھنے کی چیز تو یہ ہے کہ ہمارے اندر کیا ہے۔ ابھی گزرا' ان ہی راستوں سے ویول بھی گزرا تھا جس کا دل جس کا دماغ ان احساسات سے مفلس تھا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے گواہوں کی جماعت میں داخل ہوئے بغیر پیدا نہیں ہو سکتے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ حرم میں کھڑا تھا اور ان ہی واہی تباہی باتوں کو سوچ رہا تھا جنہیں سوچ سوچ کر اس وقت تو اس غریب کو ہنسی آ رہی تھی' لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ چند ہی برسوں کے بعد وہ خود ہنسا جائے گا' اور ان ہی لوگوں کا مسخرہ وہ خود اور اس کی قوم بن جائے گی جن کے عقاید و مسلّمات کو' جیسا کہ اسی کا بیان ہے' اس کی قوم کے حکام تمسخر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ چونکہ اس کے اندر کچھ نہ تھا' اس لیے باہر میں بھی اسے کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔

حالت خوف

دور کیوں جایئے آج دنیا ایک خاص حال سے گزر رہی ہے' خوف کے حال سے گزر رہی ہے' خطرے کے حال سے گزر رہی ہے۔ امریکہ کے بہتیرے ایوانوں میں برا جنے والے بھی کانپ رہے ہیں' کاسمک ریز یا کائناتی شعاعوں' اور ان کے روح فرسا' جاں گداز نتائج کو سوچ سوچ کر کانپ رہے ہیں۔ یورپ بھی لرزہ براندام ہے' ایٹم کے بم کے استعمال کا نتیجہ کیا ہو گا' ہائیڈروجن بم اگر چھوڑ دیا گیا تو تمدن و عمران کے ان سارے مظاہر کا حشر کیا ہو گا' جن کے ساتھ ان کی روحیں لپٹی ہوئی ہیں' اور جو پسماندہ قومیں زمین کے کناروں پر پھیلی ہوئی ہیں' ان پر بھوک کی' قحط کی' وباؤں کی ' خانہ جنگیوں کی مصیبتیں مسلط ہیں۔ جس کا آج گزر جاتا ہے' نہیں جانتا کہ' کل اس کے سامنے کن مشکلوں میں آئے گا۔ اونچے ہوں یا نیچے' بڑے ہوں یا چھوٹے' ہتھیار والے ہوں یا نہتے' کوئلے والے ہوں یا لوہے والے' تیل والے ہوں یا بجلی والے' چھکڑے والے ہوں یا ٹینک والے' اکثریت والے ہوں یا اقلیت والے' ہر ایک کے آگے خطرات ہی کے بھوت دانت نکالے کھڑے ہیں۔ ہر سوچنے والا جب سوچتا ہے تو پھاڑ دینے والے چنگلوں' اور نوچ کر رکھ دینے والے ناخنوں کے سوا اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ آگ برس رہی ہے' پگھلے ہوئے لوہے اور سیسے کی بارش ہو رہی ہے' چھریاں گر رہی ہیں' بھالے لٹک رہے ہیں' ہر طرف کھنچی ہوئی کمانوں اور تنی ہوئی تلواروں کی پرچھائیاں جھانک رہی ہیں' زندگی " موت " کے خطرے میں گھر کر " موت " سے زیادہ موذی اور تکلیف دہ بن گئی ہے۔ جو شہروں میں ہیں ان پر ڈاکے پڑ رہے ہیں' چوروں کے دھاوں سے تنگ آ گئے ہیں' اور جو دیہاتوں میں ہیں ان پر بھیڑیے واقعی بھیڑیے اور لکڑ بگھے چھوٹ پڑے ہیں۔

خدائے قادر و مقتدر

پھر یہ زندگی کیا ہے ؟ یہ دنیا کیا ہے ؟

آسمان و زمین کا یہ مجموعۂ کائنات کیا ہے ؟

غور کیجیے' ان سوالوں کے متعلق اندر کا ایک احساس یہ ہے کہ صرف بکھرے ہوئے ذرات اور منتشر عناصر کا یہ ایک اتفاقی مجموعہ ہے' جو کسی کے قابو میں نہیں ہے۔ اس کی مقابلہ میں دوسرا ذہنی شعور' اور فکری تاثر یہ ہے کہ

ایک حیّ و زندہ قوت سب کو تھامے ہوئے ہے' جسے نہ غنودگی چھوتی ہے اور نہ نیند پکڑتی ہے۔ آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے' اور زمین' زمین پر جو کچھ ہے وہ

بھی اسی کا ہے۔ (اس کی پیدا کی ہوئی اس دنیا میں) کوئی سفارش کرنے کی قوت بھی نہیں رکھتا (گویا بھیک بھی نہیں مانگ سکتا) جب تک کہ سفارش کرنے کا اذن وہی نہ دے۔ آگاہ ہے وہ ان تمام باتوں سے جو (آدمی) کے آگے ہیں اور جو اس کے پیچھے ہیں۔ اس کے علم و دانش میں کیا کیا ہے اس کی خبر کسی کو نہیں، مگر وہی کچھ بتانا چاہے۔

اس کے (اقتدار) کی کرسی ہی میں سمائے ہوئے ہیں، آسمان بھی اور زمین بھی، اور آسمان و زمین کے اس مجموعہ کی نگرانی سے وہ کبھی درماندہ نہیں ہوتا۔

یقیناً احساس کی اول الذکر نوعیت ہو، یا نفسیاتی تاثر کی دوسری شکل ہو، دونوں حالوں میں "باہر" جوں کا توں رہتا ہے، مگر کیا ان دونوں شعوری کیفیتوں کے ذہنی نتائج اور دماغی انفعالات جو "اندر" میں پیدا ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں، دونوں کی نوعیت کیا ایک ہی ہو گی۔ رسی کو جو سانپ باور کیے ہوئے ہے، اور اسی رسی کو جو سمجھتا ہے کہ سانپ نہیں وہ تو رسی ہے، دونوں کی ذہنی کیفیت کیا ایک ہی ہو گی؟ خصوصاً اسی کے ساتھ جب یہ بھی سوچا جائے کہ فکر کے اوّلُ الذکر قالب کی بنیاد صرف جہل اور نہ جاننے پر مبنی ہے۔ یعنی صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ گوناگوں کثرتوں کا یہ مجموعہ جس کا نام عالم ہے، اس کا کوئی شیرازہ بند اور نگراں بھی ہے "ہم اسے نہیں جانتے" یا ہمارے پاس اس کے فیصلہ کا کوئی غیر مشتبہ، قطعی ذریعہ نہیں ہے۔ برخلاف اس کے ثانی الذکر ذہنیت کی تعمیر اس علم سے ہوئی ہے جو قطعاً معصوم ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہے، جس میں شک و شبہ کی گنجائش کسی راہ سے پیدا ہی نہیں ہو سکتی، الّا یہ کہ کوئی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے گواہوں کی جماعت ہی سے (العیاذ باللہ) خارج ہو گیا ہو۔

اور میرا تو خیال یہی ہے کہ اس علم کے بعد بھی شک کی تلخیوں اور کڑواہٹوں کو کوئی اپنے اندر اگر پاتا ہے تو اپنی ذہنی کیفیت اس کو ان ہی لوگوں کی جیسی نظر آتی ہو گی جو مانتے ہیں کہ عالم کا یہ نظام کسی قادر و مقتدر حیّ و قیوم کے چلانے کے بغیر چل رہا ہے، اور یہ کہ یہاں کی ساری کثرتیں اختیار و ارادہ کی کسی وحدت کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں، تو اس کو خود اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے کہ آخری نبوت "اور عالمی رسالت کی گواہی دینے والوں کی جماعت سے کیا تو خارج ہو گیا ہے؟

مومن عورت کا شہر

بہرحال آگے کی طرف جس وقت ہماری لاری تیزی کے ساتھ بھاگی چلی جا رہی تھی، اس

وقت ہم باہر کے نہیں بلکہ اپنے اندرونی احساسات ہی کے دباؤ کے نیچے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ پردے کے بعد پردے ہٹتے چلے جا رہے تھے۔ اپنی جدہ ماجدہ، سیدہ ہاجرہ، ملکہ مصر نگاہوں میں گھوم رہی تھیں۔ کرۂ زمین کے سب سے بڑے مقدس شہر البلدالامین کی بنیاد رکھنے والی اپنی یہی ماں، ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ سامنے سے گزر رہی ہیں۔ پوچھتی ہیں "مردوں نے بڑی بڑی آبادیاں بنائیں، لیکن عورت کے بسائے ہوئے شہر کے مقابلہ میں تم مردوں ہی کی مرتب کی ہوئی تاریخ کیا بتا سکتی ہے کوئی شہر یا کوئی قصبہ" کوئی گاؤں "کوئی کھیڑا ایسا ہے جو اتنا ہی متبرک ہے" اتنا ہی مقدس" خالق کی نگاہوں میں بھی اتنا محبوب "اور اس کے دوستوں کی نظروں میں اتنا پیارا ہو" جتنا کہ بے آب و گیاہ والی اس وادی کی یہ بستی ہے۔ گویا بخاری کے تاریخی الفاظ

لیس بمکتہ یومئذ احد ولیس بہا ماء

جب سیدہ ہاجرہ پہلی دفعہ اس سر زمین میں پہونچیں جس کا نام اب مکہ ہے تو اس وقت وہاں کوئی نہ تھا اور نہ اس علاقے میں پانی تھا۔

حافظے کے خزانے سے باہر نکل نکل کر ایسا معلوم ہو رہا تھا میری نظروں کے سامنے کھڑے ہیں۔ یاد آتا چلا جا رہا تھا کہ پانی کا وہ زمزمی سوتا جس سے خدا ہی جانتا ہے کہ اس وقت تک کتنے پینے والے پانی پی چکے ہیں، اور آئندہ ہر سال آ آ کر رہتی دنیا تک پیتے چلے جائیں گے "اس پتھریلے خشک بیاباں میں پانی کا یہ عجیب و غریب سوتا" اسی پاک خاتون کی دوڑ دھوپ کی بدولت بر آمد ہوا تھا۔ سبق پر سبق مل رہا تھا۔ جہاں کوئی نہ تھا "ایک ننھے منے شیرخوار بچے کے ساتھ یہ بہادر عورت اسی سنسان وادی میں تن تنہا دن ہی نہیں، بلکہ بھیانک اور ڈراونی راتوں کے گزارنے پر صرف اس لیے آمادہ ہو گئی کہ اپنے خاوند ابراہیم علیہ السلام سے یہ دریافت کرنے پر

اِلٰی مَنْ تَتْرُکُنَا تم ہمیں کس پر چھوڑ کر چلے ؟

جوں ہی کہ "اِلَی اللّٰہ" (اللہ پر چھوڑ کر) کا جواب علم کے غیر مشتبہ ذریعہ (وحی ابراہیمی) سے ان کے کانوں تک پہونچا، تو جیسا کہ بخاری میں ہے:

"رَضِیْتُ بِاللّٰہ" میں خوش ہوں اللہ کے ساتھ

کے الفاظ سے اسی عورت نے اعلان کیا کہ اس کے دل میں نہ خوف ہی رہا ہے نہ ہی ملال۔ دل مطمئن تھا، دماغ نے یہ سوچنا ہی چھوڑ دیا کہ اس دن کے بعد جو رات آئے گی "اور رات کے بعد پھر دن آئیں گے" یوں ہی شب و روز کا یہ سلسلہ تنہائی کی اس زندگی میں ہم پر جب گزرے گا، تو اس وقت کیا ہو گا۔ نہ چوروں کا ڈر ان کو سہاتا اور لرزاتا تھا اور نہ ڈاکوؤں اور لیٹروں کے تصور

سے آنکھیں پتھراتی تھیں۔ سانپوں اور بچھوؤں' درندوں اور گزندوں کا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سوال ہی اس کوہستانی وادی میں ان کے لیے باقی نہ رہا تھا۔ اور سب سے زیادہ دلچسپ مسئلہ یہ ہے کہ بجز اس زنبیل (جراب) کے جس میں کھجوریں تھیں' اور ایک مشکیزہ کے جس میں پانی تھا' معاشی اطمینان کا کوئی ذریعہ ماں اور بچے کے لیے یہاں موجود نہ تھا۔ لیکن اللہ کے ساتھ وہ خوش ہو چکی تھیں' وہی جن کی اولاد اور جن کے نام لیواؤں کے لیے کروڑوں کی تعداد میں بھی خوشی اور مسرت کا لفظ بے معنے ہو چکا ہے۔

آہ! اسی شیر دل خاتون کی نسل سے پیدا ہونے والے اور ان کی تاریخ پر فخر کرنے والے' ان کے کمالات کے گیت گانے والے' مردوں کا کوئی ذہنی مشغلہ اکثریت و اقلیت یا معاشی سہولت اور دِقّت کے تذکروں کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہا ہے۔ حالانکہ جیسے ان بیوی صاحبہ کو ان کے شوہر ابراہیم علیہ السلام اللہ پر چھوڑ کر گئے تھے' اسی طرح جس پیغمبر کی امت میں مردوں کا یہ گروہ اپنے آپ کو شمار کرتا ہے' انہوں نے بھی ان کو اللہ ہی کی حفاظت میں بایں الفاظ

فَاللّٰہُ خَلِیفَتِہٖ عَلٰی اُمَّتِی اللہ ہی میرے بعد میری امت کا نگراں ہے

دیا تھا۔ لیکن جن کی ماں نے تنہائی اور بے کسی کی اس تاریخی گھڑی میں رَضِیتُ بِاللّٰہِ (میں خوش ہوں اللہ کے ساتھ) کے لنگر سے اپنے دل کو باندھا تھا' اسی ماں کے بچے جب گھبراتے ہیں' اور مستقبل کے آنے والے دنوں' اور ان آنے والے دنوں میں پیش آنے والے واقعات سے جو جاہل ہیں' وہ ان ہی کے متعلق کچھ فرضی تصورات کو خود گھڑتے ہیں' اور اپنے ان ہی خود تراشیدہ خیالات سے وہ خود بھی ڈرتے ہیں دوسروں کو بھی ڈراتے ہیں' خود بھی بھڑکتے ہیں دوسروں کو بھی بھڑکاتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ کی انجانی باتوں کو واقعی وہ جانتے ہیں' یا زندگی کے گزرے ہوئے دنوں میں آئندہ کے متعلق جو باتیں یہ سوچتے یا فرض کرتے رہے ہیں ہمیشہ وہی واقع بھی ہوتی رہی ہیں۔ گویا غیب کی طرف جو تیر بھی وہ چلاتے رہے ہیں' اس کا تجربہ ان کو ہوا ہے کہ وہ ہمیشہ نشان ہی پر بیٹھتے رہے ہیں اور نشانے سے کبھی نہیں چوکے ہیں۔

خدائے رحمان و رحیم

وہ اللہ کو نہ مانتے' تو یہ بات ہی دوسری ہوتی۔ لیکن یہ مانتے ہوئے کہ کائنات کا شیرازہ ایک زندہ و بیدار' ہمہ اقتدار' ہمہ اختیار قوت کے ساتھ بندھا اور پھندا ہوا ہے' وہ یہ بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ لطف و مہربانی' رحم و رافت کا تجربہ جس کسی کو کسی سے بھی پہلے ہوا ہو' یا اب ہو رہا

ہو'یا آئندہ ہو سکتا ہو'خواہ وہ ماں باپ'بھائی بہن'بیٹے بیٹیاں ہی کیوں نہ ہوں'اس سلسلے میں سب سے بڑی رحم کرنے والی کائنات کی یہی اقتداری قوت ہے۔ براہ راست خود اسی نے اپنی خصوصیت یہ ظاہر کی ہے کہ وہ "ارحم الراحمین" ہے۔ اسی کی تشریح کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ۱۰۰ حصوں میں سے صرف ایک حصہ رحم کا مخلوقات میں تقسیم ہوا ہے'رحم کے اسی ایک حصہ کے یہ مظاہر ہیں جن کا ہم ماؤں کی ماستاؤں میں' باپوں کی مہربانیوں میں' رشتہ داروں'عزیزوں'قریبوں کے خونی تقاضوں میں' نہ صرف انسانوں میں بلکہ پرندوں میں'چرندوں میں'درندوں میں'الغرض ساری جان رکھنے والی ہستیوں میں'محبت کی نمائشیں جن جن شکلوں میں بھی ہو رہی ہوں' یقین دلایا گیا ہے کہ یہ سب کچھ اسی ایک حصہ کا اثر اور نتیجہ ہے جو مخلوقات میں خالق کی طرف سے تقسیم ہوا ہے'اور ننانوے حصے اسی رحمت کے اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن کی ذات پاک ہی تک محدود ہیں۔

الغرض وہی الرحمٰن بھی ہے الرحیم بھی ہے' اپنے بندوں پر رؤف بھی ہے' ان کا ودود یعنی بہت بڑا چاہنے والا اور سب سے زیادہ ان سے محبت کرنے والا بھی وہی ہے۔ یہ ساری باتیں ان کے ایمان کے جوہری عناصر ہیں'بایں معنی کہ ان میں سے کسی ایک بات کا انکار ہی نہیں' بلکہ اس کے متعلق شک اور تذبذب کی کیفیت اپنے دل میں وہی پا سکتا ہے جو قرآن کو اللہ کا کلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا صادق و راست باز رسول (العیاذ باللہ) نہیں مانتا۔

نفع و ضرر کا اختیار مطلق

اور یہی کیا' میں تو کہتا ہوں کہ قرآن کی ایسی آیتیں'مثلاً

اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّکُمْ اُفٍّ لَّکُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ

(الانبیاء ۲۱ : ۶۶)

کیا تم اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع ہی پہونچاتی ہیں اور نہ ضرر' تف ہے تم پر اور ان چیزوں پر جنہیں تم پوجتے ہو۔

یا ارشاد ہوا ہے :

یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّہٗ وَلَا یَنْفَعُہٗ ذٰلِکَ ہُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ (الحج ۲۲ : ۱۲)

وہ پکارتا ہے اللہ کے سوا ان چیزوں کو جو نہ ضرر ہی اسے پہونچاتی ہیں اور نہ نفع' یہی ہے دور رس گمراہی۔

یہ اور اسی قسم کی آیتوں کی قرآن میں کیا کمی ہے جن کا حال یہی ہے کہ خالق کائنات کے سوا جتنے الٰہ اور معبود بنا لیے گئے ہیں' نہ نفع رسانی کی قوت وہ رکھتے ہیں اور نہ ضرر رسانی کی۔

پھر ان ڈرانے والوں اور ڈرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ خالق کو معبود بنا لینے اور اس کو اپنا الٰہ ٹھہرا لینے کے بعد بھی اگر وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ مصیبت جب آئے گی تو جیسے مشرکوں کے جھوٹے معبود غیر مفید بن کر رہ جاتے ہیں اسی طرح انکا اللہ بھی مصیبت کی ان گھڑیوں میں کیا غیر نافع بن کر رہ جائے گا اور ان کے کام نہ آئے گا۔ اللہ اللہ اگر واقعہ کی صورت حال یہی ہے تو پھر مشرکوں کے معبودوں اور ان لوگوں کے معبود میں کیا فرق رہ جائے گا جنھوں نے مخلوقات کو چھوڑ کر کائنات کے اس خالق اور مالک کو اپنا معبود اسی کے حکم سے بنا لیا ہے جس کے بس سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

مَاوَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا (الاحزاب ۳۳ : ۱۲)

اللہ اور اس کے رسول نے نہیں وعدہ کیا تھا مگر صرف فریب

اس احساس کو تو قرآن نے نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔ پھر جو ان وسوسوں میں مبتلا ہیں کہ وقت آنے پر خدا بھی گول ہو جاتا ہے' اور اپنے پوجنے والے مخلص بندوں کو وہ بھی چھوڑ دیتا ہے' ان کو اپنے اپنے دلوں کا جائزہ لینا چاہیے' اور غور کرنا چاہیے کہ آخر وہ کیسی باتیں سوچ رہے ہیں۔ اگر خالق کا حال بھی وہی ہے جو حال مخلوق معبودوں کا قرآن نے بیان کیا ہے' تو الٰہ اور معبود کی ان دو قسموں میں فرق ہی کیا باقی رہا؟

ہاجرہؑ کی داستانِ ایقان

میں پھر دور نکل گیا۔ گفتگو اس پاک بستی کی بنیاد رکھنے والی ستنا ہاجرہ علیہا السلام کے متعلق ہو رہی تھی کہ "اِلَی اللہ" کی خبر اپنے شوہر سے پانے کے بعد " میں خوش ہوں اپنے اللہ کے ساتھ انہوں نے جو فرمایا تھا' یا بعض روایتوں میں ہے کہ اسی کے ساتھ ہی حَسْبِی کا لفظ بھی ان کی زبان پر جاری ہوا' یعنی اللہ میرے لیے کافی ہے' بلکہ بخاری والی روایتوں میں سے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ستنا ہاجرہ نے اس موقعہ پر کہا کہ **اذا لا یضیعنا** ' اگر ایسا ہے ' یعنی خدا کی حفاظت میں جب دی گئی ہوں ' تو خدا مجھے ضائع ہونے نہ دے گا۔

یہ کتنی حیرت انگیز' سبق آموز بات تھی۔ ایک عورت یقین کی اس چٹان پر ڈٹ سکتی ہے' اور ڈٹ گئی۔ دنیا جانتی ہے اس پر قدم جمانے کے بعد پھر اس کے پاؤں ایک لمحہ کے لیے نہ ہلے اور نہ ڈگے۔ اور اسی کا یقین مستقبل کی تاریخ بن گیا۔ تقریباً چار ہزار سال بعد ہم اس شہر' پاک شہر کی طرف جا رہے تھے جو ان بیوی صاحبہ سے آباد ہونے کے بعد آباد ہی رہا' اور اب تک آباد

ہے' اور جب تک کہ وہی وقت نہ آجائے کہ خاکی دنیا کا نظام ہی برباد ہو جائے' ہمارا ایمان ہے کہ وہ آباد ہی رہے گا۔

امام بخاری کی جامع صحیح کی مشہور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لیحجن ھذا البیت ولیعمرن بعد یاجوج وماجوج

اس گھر (بیت اللہ) کا حج اور عمرہ یاجوج و ماجوج کے بعد بھی لوگ کرتے رہیں گے۔

یاجوج و ماجوج دنیا کی جو قوم بھی ہو' لیکن اتنی بات تو قرآن سے بھی معلوم ہوئی ہے کہ قرب قیامت سے پہلے کھولی جانے والی قوموں کو یاجوج و ماجوج کا نام دیا گیا ہے اور یوں بھی اَلنّاس (انسانوں) کے قیام و بقا کو قرآن ہی میں جب اسی گھر کیساتھ وابستہ قرار دیا گیا ہے' تو یہ کیسے سوچا جا سکتا ہے کہ زمین کے اس کرہ پر آدمی (الناس) تو چلتے پھرتے رہیں اور وہ گھر (البیت) زمین کی پشت سے العیاذ باللہ غائب ہوجائے جس کے بغیر قرآن کی رو سے نہ یہاں کوئی چل سکتا ہے اور نہ پھر سکتا ہے۔

کچھ بھی ہو' آئندہ کیاہونے والا ہے' کن کروڑوں کو مستقبل میں دنیا لینے والی ہے' اس سے قطع نظر بھی کر لیا جائے' جب بھی عہد ابراہیمی سے بیسویں صدی عیسوی تک ہزاروں سال کا جو طویل و دراز وقفہ ہے' اس میں تو جنسِ لطیف کے ایک فرد کی بسائی ہوئی اس آبادی کو تاریخ کی نگاہوں نے ہمیشہ آباد ہی پایا ہے۔ عبرت و بصیرت کے لیے کیا یہی کافی نہیں ہے ؟

کہتے ہیں کہ کلیات سے زیادہ انسانی فطرت جزئی مثالوں اور نظیروں سے متاثر ہوتی ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے زیادہ جزئی' واضح' صاف نظیر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اجاڑ' چٹیل' ننگے' خشک پہاڑوں کے سوا جہاں اور کچھ نہ تھا' خوف اگر کہیں ہو سکتا ہے تو اس سے زیادہ خوف ناک جگہ کا شائد تصور ہی نہیں کیا جا سکتا' بھوک اور فاقہ کا خطرہ کسی مقام کے ماحولی حالات کی بنیاد پر پیدا ہو سکتا ہے تو اس خطرے کے سارے اسباب سے بن کھیتی کا یہ بیاباں معمور ہے' لیکن تاریخ کی اس طویل مدت میں پہلے بھی دیکھا گیا' اور اب بھی دیکھا جا رہا ہے' کہ اس آبادی میں بسنے والوں کو کھلایا بھی جا رہا ہے' پلایا بھی جا رہا ہے' اور امن و امان کی زندگی سے یہاں کے بسنے والے بھی اسی طرح مستفید ہوتے چلے آ رہے ہیں جیسے دنیا کے دوسرے خطوں کے آبادکاروں کو زندگی گزارتے ہوئے دیکھا جا رہا ہے۔ بلکہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ شاید دوسروں سے ان کا حال ہر زمانہ میں کچھ بہتر ہی رہا ہے۔ حالات اور خصوصیات ہی اس سرزمین کے ایسے ہیں کہ کشورکشائی کے متوالوں کے لیے اس سرزمین پر کسی قسم کی کوئی کشش کسی زمانہ میں پیدا نہ

ہوئی۔ کبھی کبھی کوئی معمولی مقامی فتنہ اٹھا بھی تو اٹھنے کے ساتھ ہی دب گیا' اور خوف سے محفوظ رہنے کی ایک بڑی وجہ یہی ہوئی۔ اسی طرح ہر زمانہ میں یہ بھی دیکھا گیا کہ اس شہر کے رہنے والوں کی معاشی سہولتوں کی ذمہ داری عموماً باہر والوں کے دلوں میں مختلف وجوہ سے بیدار ہوتی رہی ۔ مدت تک عرب کے باشندے یہ سمجھتے رہے کہ اس شہر کے باشندوں کی پشت پناہی انکے فرائض میں داخل ہے۔ خود کما کما کر جو کچھ پہونچاتے تھے وہ تو پہونچاتے ہی تھے۔ اس کے سوا بھی تلاش معاش میں جدھر بھی یہاں کے رہنے والے نکل جاتے تھے عربی قبائل ان کی حفاظت و نگرانی میں پیش پیش نظر آتے ہیں' اور آخر میں تو عرب سے باہر کی حکومتوں تک نے **الایلف** کی سند دے کر تجارتی کاروبار کے پھیلانے اور بڑھانے کا موقعہ اس شہر کے باشندوں کے لیے مہیا کیا۔

اور یہ واقعات تو اسلامی تاریخ کے آغاز سے پہلے کے ہیں۔ پھر وہی بستی جس کے متعلق **یسعیاہ** نبی نے یہ خبر دیتے ہوئے کہ "تو ترک کی گئی" اور کس طرح چھوڑی گئی کہ' بقول ان ہی کے "کسی آدمی نے تیری طرف گزر ہی نہ کیا" یعنی باہر والوں نے لالچ کی نظر سے اس سرزمین کو نہیں دیکھا تھا' اسی کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرنے کے بعد جو والہانہ گیت ان کی کتاب میں اب بھی پایا جاتا ہے' یہ **یسعیاہ** کی کتاب کا باب ۶۰ ہے' اسلام ' پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے صدیوں پہلے وہ فرما رہے تھے کہ

> اٹھ مُنوّر ہو' کیونکہ تیرا نور آگیا' اور خداوند کا جلال تجھ پر ظاہر ہوا' کیونکہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا گئی' اور تیرگی امتوں پر' لیکن خداوند تجھ پر طالع ہو گا' اور اس کا جلال تجھ پر نمایاں ہو گا' اور قومیں تیری روشنی کی طرف آئیں گی' اور سلاطین تیرے طلوع کی تجلی مین چلیں گے۔

بہرحال "تاریکی" کے بعد' اس شہر' بلکہ سارے عرب کا' بلکہ سارے جہانوں کا نور جب آ گیا' اور جو بستی تاریخ کے نامعلوم ایام سے چھوڑی ہوئی تھی اس کے منور اور روشن ہونے کا وقت آگیا تو' جیسا کہ ان ہی **یسعیاہ** علیہ السلام نے فرمایا تھا' یہ دیکھا گیا' آگے اسی کتاب میں ہے' کہ اسی چھوڑی ہوئی بستی کو خطاب کرکے انہوں نے کہا:

> اپنی آنکھیں اٹھا کر چاروں طرف دیکھ' وہ سب کے سب اکھٹے ہوتے ہیں' اور تیرے پاس آتے ہیں' تیرے بیٹے دور سے آئیں گے اور تیری بیٹیوں کو گود میں اٹھا کر لائیں گے(۱۰)

اس شہر کے بیٹوں اور بیٹیوں کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں :۔

"اور بیگانوں کے بیٹے تیری دیواریں بنائیں گے' اور ان کے بادشاہ تیری خدمت گاری کریں گے"۔

اس میں حضرت یسعیاہ کا یہ الہامی کلام بھی ہے کہ

"میں تجھے ابدی فضیلت بخشوں گا' اور پشت در پشت کی شادمانی کا باعث بناؤں گا۔ تو قوموں کا دودھ ہی لے گی' ہاں بادشاہوں کی چھاتی چوسے گی۔"

اور جہاں اسلام کے بعد پیش آنے والے مذکورہ بالا واقعات کا تذکرہ اپنے مکاشفہ میں انہوں نے کیا ہے' اسلام سے پہلے بھی جو کچھ اس شہر میں دیکھا جاتا تھا اس کی طرف انہوں ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے کہ

اونٹوں کی قطاریں اور مدیان و عیفہ کی سانڈنیاں آ کر تیرے گرد بے شمار ہوں گی' وہ سب سبا (یمن) سے آئیں گے' اور سونا اور لوبان لائیں گے۔

یہ عرب کے غیر اسماعیلی لوگوں کا حال تھا۔ پھر اسماعیل علیہ السلام کے منجھلے صاحبزادے قیدار اور بز ... کے نام کی تصریح کر کے فرماتے ہیں کہ

قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ اور نبیط کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔

اور اسی کی بعد بیت اللہ الحرام کے لفظ کو انہوں نے دہرایا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ

میں اپنے شوکت کے گھر کو جلال بخشوں گا۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ "بائبل" کی معتبر کتابوں میں الیسع علیہ السلام کی یہ کتاب بھی جب شریک ہے' تو اہل کتاب آخر ان تصریحات کا مصداق کس علاقہ کو ٹھہرائیں گے۔ یقیناً مکہ ہی کی گلیوں میں یہ تماشا نظر آتا ہے کہ اونٹوں سے بھری ہوئی ہیں۔ قیدار اور نبیط کی اولاد عرب کے سوا اور کہاں ان لوگوں کو مل سکتی ہے ؟

اور یہی کیا اللہ کے اس روشن ضمیر بندے کے اس مکاشفہ کے بعض فقرے تو اس سے بھی زیادہ عجیب ہیں۔ مثلاً یہ فقرہ کہ

یہ کون ہیں جو بادل کی طرح اڑے چلے آتے ہیں' اور جیسے کبوتر اپنے کابک کی طرف ؟

آج ہوائی جہازوں پر حجاج کے قافلے جو سرزمین حجاز میں پہونچ رہے ہیں ان کو دیکھ کر آپ ہی بتائیے کہ پوچھنے والا آخر کیا پوچھے۔ جب مسیح علیہ السلام سے سیکڑوں سال پہلے اس تماشے کو

دکھایا جا سکتا ہے' تو اسی باب کے ان الہامی الفاظ کا

میں پیتل کے بدلہ سونا لاؤں گا اور لوہے کے بدلے چاندی اور لکڑی کے بدلے پیتل

ان کا حاصل اگر یہ نکالا جائے کہ کم قیمت معمولی چیزوں کے بدلے حجاز کے علاقے میں قیمتی چیزیں کسی زمانے میں آنے والی تھیں' مثلاً آج مٹی کے تیل کے بدلہ امریکہ اور یورپ سے اس ملک میں جو سونا آ رہا ہے' تو استعارے کے رنگ میں یہ فقرہ آدمی کے ذہن کو کیا منتقل نہیں کر سکتا۔

بہرحال "اللہ ہمیں ضائع ہونے نہ دے گا" ـــ مکہ کی بسانے والی بزرگ خاتون کے اس ایمانی فقرے کی تکمیل مسلسل جس رنگ میں ہوتی چلی جا رہی ہے' کیا ہزارہا ہزار سال میں پھیلے ہوئے جزئی واقعات بھی ان لوگوں کے لیے کافی نہیں ہو سکتے جو خدا کو بھی مانتے ہیں' اس کی ہمہ گیر فرماں روائیوں اور ہر جہتی پشت پناہیوں پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔ دُوْنِ اللّٰہ (اللہ کے سوا) کی عبادت سے انکار انھوں نے اسی بنیاد پر کیا ہے کہ اپنے پوجنے والوں کو وہ نہ نفع پہونچا سکتے ہیں' اور نہ نقصان۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ پکارنے والوں کی پکار کو ان کا خالق معبود ہر جگہ سے ہر وقت ہر حال میں سنتا ہے۔ قرآن میں مسلسل ان کو یہ بھی پڑھایا گیا ہے کہ نوح نے اپنے رب کو پکارا اور رب نے نوح کی پکار سنی' ان کو کرب عظیم (بڑی کڑھن اور کوفت) سے نجات بخشی۔ اندھیریوں (ظلمات) میں یونس نے اپنے ظلم کا اعتراف کر کے خدا کی پاکی کا جب اقرار کیا تو خدا نے ان کی سنی۔ زکریا نے پکارا اور ان کی دعا قبول ہوئی۔ ایوب خدا کے قدموں پر لوٹے اور وہ چنگے کیے گئے' مافات کے ان کی تلافی کی گئی۔ ابراہیمؑ نے خدا ہی کو اپنے کے لیے کافی قرار دیا' خدا ان کے لیے کافی ہو گیا' اور ہوا کے سرد جھونکے سے آگ کے شعلے بدل دیے گئے۔ الغرض طویل فہرست تصوف کی کسی کتاب' یا تعویذ اور گنڈوں کی کسی بیاض میں نہیں' بلکہ براہ راست ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ میں ان باتوں کی پائی جاتی ہے' اور بار بار مختلف شکلوں میں اسی فہرست کا اعادہ اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ ان وسوسوں میں بھی غلطاں پیچاں ہیں کہ جیسے دون اللہ (اللہ کے سوا مخلوقات کے) پوجنے والوں کو اپنے معبودوں سے فائدہ نہیں پہونچتا' اسی طرح بجائے مخلوقات کے خالق ہی کی طرف اپنی ساری نیاز مندیوں اور اپنی ساری ضرورتوں اور حاجتوں کے رخ کو پھیر کر جب اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (ہم تجھی کو پوجتے ہیں اور تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں۔) کے ساتھ خالق کا پوجنے والا متوجہ ہو جاتا ہے' تو اس کو بھی اپنے خالق معبود کی دست گیریوں کی توقع نہ کرنی چاہیے۔

تقدیر کا بہانہ

ان میں کچھ لوگ جو درحقیقت روح اللہ (اللہ کی رحمت) سے اپنی امیدیں توڑے ہوئے ہوتے ہیں' لیکن بات بنانے کے لیے کبھی وہ تقدیر کے مسئلہ کی آڑ لیتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ تقدیر میں جو فیصلہ ہو چکا ہے جب وہ بدل نہیں سکتا تو دعا کرنے میں ہم وقت کیوں ضائع کریں۔ حالاں کہ ٹھیک جس وقت وہ یہ کہتے ہیں' دیکھا جاتا ہے کہ وہ طبیبوں اور ڈاکٹروں کے پاس دوڑ بھی رہے ہیں' اور ان کی بتائی ہوئی دواؤں کو استعمال کر کر کے صحت کے امیدوار بنے بھی بیٹھے ہیں۔ ان ہی کے دل میں تقدیر کے فیصلہ کا اس وقت خطرہ بھی نہیں گزرتا۔ اسی سے سمجھ میں آتا ہے کہ تقدیر و تدبیر کے حدود کو خود ان کا جبلی وجدان بھی خوب پہچانتا ہے' خواہ اپنی یافت کے اظہار کا سلیقہ ان میں نہ پایا جاتا ہو۔

بہرحال جب مردہ و جامد' مجبور و معذور' دواؤں میں شفائی تاثیروں کی تلاش مسئلہ تقدیر کے مزاحم نہیں ہے' تو زندہ توانا' دانا و بینا' قادر و مقتدر' حیّ و قیوم کو پکار کر اپنے مشکلات کے حل کی جو امیدیں باندھتا ہے' اس کے سراسر عقلی اقدام کو مسئلہ تقدیر کا مخالف آخر کس بنیاد پر ٹھہرایا جاتا ہے۔ جن دواؤں کے اختیار میں کچھ نہیں ہے' بلکہ اختیار ہی سے "کلیتاً" محروم ہیں' ان میں صحت کی جستجو اور شفایابی کی توقع اگر عقل کا اقتضاء ہے تو وہی عقل یہ کیوں نہ چاہے گی کہ جس کے اختیار میں سب کچھ ہے اسی پر اپنی حاجتوں کو پیش کیا جائے' اور جو کچھ مانگنا ہو اسی سے مانگا جائے۔

نعمت جب مل جاتی ہے تو اس کی صحیح قدروقیمت کا وزن دلوں میں باقی نہیں رہتا۔ ورنہ یہی الصّلٰوۃ (یعنی نماز)' اس کی حقیت کیا ہے ؟ حاجتوں اور ضرورتوں میں ڈوبے ہوئے انسان کے لیے وہ دروازہ کھول دیا گیا ہے جس سے وہ اپنی پیش آنے والی ضرورتوں اور حاجتوں کو طلب کرتا رہے۔ وہ غلط راستوں پر پڑا ہوا تھا' بجائے خالق کے مخلوقات ہی سے امداد طلب کرنے لگا تھا' ان ہی ٹیڑھی ترچھی راہوں سے ہٹا کر براہِ راست خالق کے سامنے نماز آدمی کو لا کر کھڑا کر دیتی ہے۔

وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ (یٰسین ۳۶ : ۶۱)

اور مجھی کو پوجتے چلے جانا' یہی ہے سیدھی راہ

کی قرآنی آیت کا یہی مطلب ہے اور جو ہر نماز میں نمازیوں کے رخ کو "بیت اللہ الحرام" یعنی خدا کی شوکت والے گھر کی طرف پھیرنے کا حکم ہے' اس حکم کی دوسری مصلحتوں کے ساتھ ایک

مصلحت یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ "خدائی امداد" کے ظہور کی وہ ایک زندہ تاریخی مثال بھی ہے۔ اسی گھر کے پاس' جیسا کہ عرض کر چکا' ہاجرہؑ اور ان کے بچے کے ساتھ قدرتی پشتی بانیوں کا غیر معمولی مظاہرہ قدرت کی طرف سے ہوا۔ بلکہ عام لوگوں کو شائد معلوم نہیں کہ جس بچے کے ساتھ ستنا ہاجرہ اس وادی میں تنہا چھوڑی گئی تھیں اس بچے کا نام اسماعیل' اس کا لفظی ترجمہ ہی یہ ہے کہ وہ خدا کی سنی ہوئی دعا تھے۔ آخر "جرائیل" تو اللہ کا عبرانی تلفظ ہے' اور "اسماع" کا مادہ وہی عربی کا لفظ سمع (سننا) ہے۔ تورات کتاب پیدائش میں بھی ہے کہ ستنا ہاجرہؑ کے پاس' جب وہ حاملہ تھیں' خدا کا فرشتہ آیا اور اس نے کہا کہ

> تو حاملہ ہے' اور تیرے بیٹا ہو گا' اس کا نام اسماعیل رکھنا' اس لیے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا (پیدائش ۱۶ : ۶۲)

خیال کرنے کی بات ہے کہ دن کے چوبیں گھنٹوں میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ جس قوم کو یہ عملی مشق کرائی جاتی ہو کہ اس گھر کی طرف رخ کریں جو خدا کی سنی ہوئی اور قبول کی ہوئی دعا اسماعیل علیہ السلام' کی طرف منسوب ہے' اور جس گھر کے تعلق سے مسلسل اس کا تجربہ کرایا جاتا رہا ہے کہ عام اسباب کے لحاظ سے جہاں کچھ نہ تھا وہیں سب کچھ ہوتا رہا' بندوں نے پکارا اور سننے والے خدا نے سنا' بندوں کی آرزو پوری کی' اسی گھر کی طرف رخ کر کر کے

> آپ ہی کو ہم پوجتے ہیں اور آپ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں

کے ساتھ' کراہنے والوں اور اپنے مالک کے ڈھونڈھنے والوں کے لیے گنجائش ہی کیا باقی چھوڑی گئی ہے کہ ظاہری اسباب کی ناسازگاریوں کو دیکھ دیکھ کر وہ لرزہ براندام ہوں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اسباب کی ناہمواری ان میں اس امید کو پیدا کرتی ہے کہ بیت اللہ الحرام کے رب کا ہاتھ براہِ راست نمایاں ہو گا' اور اس گھر کی مسلسل تاریخ میں جس کا بار بار مشاہدہ کرایا گیا ہے' پھر اسی تعلق سے اپنی اعجوبہ طرازیوں اور طرفہ تماشائیوں کے ساتھ وہ اپنے بندوں کے سامنے آئے گا' اور ضرور آئے گا۔

کیسی عجیب بات ہے کہ اس مرکز کی طرف پانچوں وقت نماز پڑھنے والی امت کے حافظے سے دیکھا جا رہا ہے کہ' کچھ دنوں سے اس گھر اور اس گھر کی تاریخ کی یاد کو مٹا مٹا کر چند استثنائی مقامات جہاں سے مسلمانوں کو ہٹنا پڑا' مثلاً اسپین یا سسلی' وغیرہ کی اہمیت کو مرتکز کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ حالانکہ تیرہ سو سال کی طویل مدت میں خدا ہی جانتا ہے کہ مسلمان دنیا کی کن کن قوموں کے ساتھ جا کر آباد ہوئے' اور جہاں کہیں آباد ہوئے بحمد اللہ اس وقت تک وہ

وہیں جمے ہوئے ہیں۔ تورات کی پیشگوئی نوٹ میں نقل کر چکا ہوں کہ

وہ اپنے ہر ایک بھائی کے ساتھ سکونت کرے گا۔

ان کی تقدیر ہی "**من کل اخاہ یسکن**" ہے۔ لوگوں کو نہ شام یاد رہا نہ مصر نہ لیبیا نہ مراکش نہ ایران نہ ترکستان نہ چین نہ ہندوستان نہ جاوا نہ سماترا اور یاد رہ گیا تو صرف ایک اسپین یا اسی یورپ کا جزیرہ سسلی جہاں ان کی تعداد ہی بہت تھوڑی تھی اور آبنائے جبل الطارق کے اس پار صرف بارہ میل کے فاصلہ پر افریقہ میں انکی قاہرہ حکومت قائم تھی اور وہاں سے مسلسل ہندوستان تک صرف ان ہی کے علاقے تھے۔ اگر حالات کے لحاظ سے تیرہ سو سال کی طویل مدت میں بارہ میل کا فاصلہ طے کر کے دارا لکفر کو چھوڑ کر مسلمان دارالاسلام میں منتقل ہو گئے اور واقعات کے تحت محکومیت کی زندگی کو چھوڑ کر ان علاقوں میں واپس آ گئے جہاں کے وہ حاکم تھے' تو بار بار اسی کی یاد کو تازہ کر کر کے مسلمانوں کو ہول دل میں مبتلا کرنے والے کیوں نہیں سوچتے کہ آخر وہ کیا کر رہے ہیں۔ ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ مسلسل ہر روز پانچوں وقت جن کے حافظے میں "بھوک میں کھلانے والے' اور خوف سے امن دینے والے' بیت اللہ کے رب" کی یاد تازہ ہوتی رہتی ہے' ان پر صرف اندلس اور سسلی کے منتر کا اثر دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔ اور جب تک

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِىٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ○

(القریش ۱۰۶ : ۳-۴)

پس پوجتے چلے جانا اس گھر کے رب کو جو ان کو بھوک سے کھانا کھلاتا رہا اور خوف سے امن بخشتا رہا۔

کے قرآنی حکم کی وہ تعمیل کرتے رہیں گے' بیت اللہ کا یہی رب ان کو کھلاتا بھی رہے گا اور خوف سے امن بھی بخشتا رہے گا۔

اور مجھ سے پوچھتے ہیں تو جو واقعہ ہے اسی کو عرض کروں گا۔ جس وقت ہماری لاری مکہ معظمہ سے قریب ہوتی چلی جا رہی تھی' میرے دل میں تڑپ اسی "بیت اللہ" کی دید کی تھی جس کے رب کا نام تو ہمارے کانوں میں اسی وقت ڈالا گیا تھا جب اپنی ماؤں کے پیٹ سے نکل کر زمین کی خاکی کرہ پر ہم ڈالے گئے تھے' اور نام سے پہلے ہم اس کی ربوبیت کے کام کا اقرار "بلیٰ" کے لفظ سے اسی وقت کر چکے تھے جب ناسوتی دنیا سے ہمارا تعلق بھی قائم نہ ہوا تھا۔ وہ ہمارے لیے جانا پہچانا تھا اور ہم تو خیر اس کے بندے ہی تھے۔ جو کہتے ہیں کہ ہمیں "خانہ" کی نہیں بلکہ "خانہ کے خدا" کی تلاش ہے' ان پر دل ہنستا تھا۔ بھلا جس خدا کے بغیر ہم اپنی ایک سانس بھی نہیں لے

سکتے' جس سے ایک لمحہ کے لیے نہ ہم غائب ہوئے اور نہ ہو سکتے تھے' اور جس سے غافل ہو کر جینا کفر کی زندگی ہے' یہ کیسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اسی خدا کو ڈھونڈھتے ہیں۔ ڈھونڈھا تو وہ جاتا ہے جو کھو گیا ہو' اور جو ایسا ہو کہ وجود' وجود کے سارے کمالات ہی کو جس کے بغیر ہم کھو بیٹھیں گے' ایسے پائے ہوئے کو یہ دیوانے کیسے کہتے ہیں کہ ہمیں اسی کی تلاش ہے۔

بہرحال وہ کچھ بھی سوچتے ہوں' لیکن ہم تو اپنے اسی "رب" کے "بیت" ہی سے اپنی آنکھیں سینکنا چاہتے تھے' اور اس بیت پر ایک نظر اسی کو حاصل عمر خیال کیے ہوئے تھے۔ اسی کے جمال و حسن کے تصور میں ہم میں سے ہر ایک محو تھا۔ کیوں کہ حقیقت حقیقت ہی کے رنگ میں نظر آئے' اس کے لیے جن احساسات کی ضرورت ہے ان سے ہر ایک لب ریز تھا۔ ان میں ہر ایک اس بات کا گواہ بن کر جا رہا تھا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ کہہ چکا ہوں کہ ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں' سن رہے ہیں۔ اپنے احساسات کے زیر اثر ہو کر ان کو دیکھ اور سن رہے ہیں' غلط احساسات ہی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ الماس ہمیں شیشہ کا ایک ٹکڑا بھی نظر آ سکتا ہے' اور احساسات کی تصحیح کا ثمرہ ہے کہ جو الماس ہے اس کو ہم الماس ہی باور کرتے ہیں۔ جس وقت میقات کے حدود سے گزر کر ہم ان حدود میں داخل ہوئے جن کو حرم کے حدود کہتے ہیں تو جو کچھ بھی ہمارے سامنے تھا' ممکن ہے دوسروں کو وہ دشت و بیابان' پہاڑ اور میدان نظر آتے ہوں' لیکن اپنی نگاہ جدھر بھی جاتی تھی ہر ایک سے "حرمات اللہ" ہی کی برقی لہریں نکل نکل کر ہمارے احساسات میں پیوست ہوتی چلی جا رہی تھیں' اور اس وقت سمجھ میں آتا تھا کہ "حرمات اللہ" کو قرآن میں "شعائر اللہ" کیوں کہا گیا ہے۔ اللہ کا شعور ان سے دلوں میں کس طرح بیدار ہوتا ہے' اسی کا ذاتی تجربہ ذرّے ذرّے' تنکے تنکے حدود حرام کے' کراتے چلے جا رہے تھے۔

مناسکِ حج کی نبوی اصلاحات

محمد رضی الاسلام ندوی

مخصوص زمانے میں مقدس مقامات کی زیارت کا تصور، جسے اسلامی اصطلاح میں حج کہتے ہیں، تقریباً تمام ہی مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ سامیوں کے نزدیک بھی یہ مذہبی شعائر میں سے تھا۔ چنانچہ لفظ ''حج'' کی اصل، جیسا کہ ڈاکٹر جواد علی نے لکھا ہے، سامی اور عبرانی زبانوں میں موجود ہے(۱)۔ قدیم اہل عرب کے یہاں بھی حج کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ دراصل ان کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت، ان کے بتائے ہوئے طریقۂ عبادت اور ان کی یادگاروں کی تمثیل سے عبارت ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے، جن کو آج دنیا کے تین بڑے مذاہب، یہودیت، عیسائیت اور اسلام، کے ماننے والے اپنا جدِ امجد تسلیم کرتے ہیں، آج سے ہزاروں سال قبل مشرکانہ ماحول سے کنارہ کشی اختیار کرکے ایک بے آب و گیاہ وادی میں خدائے واحد کی عبادت کے لیے ایک گھر کی بنا ڈالی تھی، اور اس کی زیارت اور طواف کرنے اور وہاں مراسمِ عبادت بجالانے کا اعلان عام کیا تھا (۲)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جذبہ اخلاص کو شرف قبولیت سے نوازا اور ان کی نسل میں حج ایک مقدس عبادت قرار پایا۔ چنانچہ عہد جاہلیت سے متعلق وارد تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب کے نزدیک خانہ کعبہ کو مقدس گھر اور حج کو ایک مقدس عبادت کی حیثیت حاصل تھی، اور انہیں یہ احساس بھی تھا کہ یہ سارے مراسم ان کے جدامجد حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ سے منقول ہیں۔ اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ انہوں نے خانہ کعبہ کے اندر جہاں بہت سے بت رکھ چھوڑے تھے وہیں حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی تصویریں بھی بنا رکھی تھیں(۳)۔

اسلام نے بھی حج کی کو دین کا ایک اہم رکن قرار دیا ہے (۴)۔ اور اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے (جو ملتِ ابراہیمی کے مجدد بنا کر بھیجے گئے تھے) لوگوں کو ملتِ

ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیتے ہوئے(۵)۔ انہیں مناسکِ حج کی تعلیم دی۔ البتہ اہلِ عرب نے ان مناسک میں کچھ تبدیلیاں کرلی تھیں اور ان میں اپنے من مانے رسوم شامل کرلیے تھے۔ قرآن نے ان پر نکیر کی اور اللہ کے رسولؐ نے بھی ان کی تردید فرمائی اور اپنے عمل کے ذریعے حج کا صحیح طریقہ بتلایا۔

عہدِ نبویؐ میں ادائیگی حج کے طریقے سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم یہ جانیں کہ عہدِ جاہلیت میں حج کا کیا طریقہ تھا ؟ مشرکین نے حضرت ابراہیمؑ کے بتائے ہوئے طریقہ میں کیا تبدیلیاں کرلی تھیں ؟ اور قرآن نے اپنی آیات اور پیغمبرِ اسلام نے اپنے ارشادات کے ذریعے ان میں کیا اصلاحات کیں ؟ نیز آنحضرتؐ نے حج کا عملی مظاہرہ کیونکر کیا ؟ اور حج کی کیسے تنظیم فرمائی ؟

مناسکِ حج کی اصلاحات

مناسکِ حج میں اہل عرب نے جو تبدیلیاں کرلی تھیں ان کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ نسلی امتیازات پر مبنی تھیں، کچھ کا تعلق تقدس کے خودساختہ معیارات سے تھا اور کچھ کاموں کو انہوں نے مہمل طریقے پر مراسمِ حج میں شامل کرلیا تھا۔ ذیل میں ہم ان کا تذکرہ کرتے ہوئے نبوی اصلاحات کی جانب اشارہ کریں گے۔

الف ۔ نسلی امتیازات پر مبنی مراسم کی اصلاح

۱ ۔ قریش کو دوسرے قبائل کے مقابلے میں اپنی نسلی برتری کا احساس تھا اور اس بنیاد پر انہوں نے اپنے لیے کچھ امتیازات خاص کرلیے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم اولادِ ابراہیمؑ" باشندگانِ مکہ" اہلِ حرم اور متولیانِ کعبہ ہیں۔ ہمیں جو حقوق حاصل ہیں وہ دوسرے عربوں کو حاصل نہیں اور نہ ہی ان کا درجہ ہمارے برابر ہے۔ اس لیے اگر وہ حرم سے باہر کی کسی چیز کی تعظیم و توقیر کریں گے تو حرم کی قدر و منزلت دوسرے لوگوں کی نگاہوں میں کم ہوجائے گی۔ اسی بنیاد پر انہوں نے وقوفِ عرفہ کو، جو حج کا ایک اہم رکن تھا اور جس کے مناسکِ حج میں سے ہونے کا وہ بھی اعتراف کرتے تھے، خود سے ساقط کرلیا تھا۔ اس لیے کہ اس صورت میں انہیں حرم سے باہر نکلنا پڑتا۔ قرآن نے ان کے اس زعم باطل کی نکیر کی اور دوسرے لوگوں کی طرح انہیں بھی عرفات جاکر وہاں سے واپس آنے کا حکم دیا(۶)۔ فرمایا :

ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ (البقرہ ۲ : ۱۹۹)

پھر تم سب کو ضرور ہے کہ اسی جگہ ہوکر واپس آؤ جہاں اور لوگ جاکر وہاں سے واپس آتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو۔

۲۔ حج کی ایک خودساختہ رسم حرم کے باہر سے آئے ہوئے حاجیوں کا خانہ کعبہ کا عریاں طواف کرنا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم ان کپڑوں میں طواف نہیں کریں گے جن میں ہم نے گناہ کیے ہیں (۷) یا اگر وہ کپڑے پہن کر طواف کرتے تھے تو طواف کے بعد ان کو اتار دیتے تھے اور پھر کبھی ہاتھ نہ لگاتے تھے۔ البتہ حُمُس (یعنی اہل حرم) سے مانگے ہوئے کپڑوں میں طواف کی اجازت تھی۔ اس رسم کے پیچھے بھی حُمُس کی برتری کا تصور کارفرما تھا۔ اس لیے کہ عام اہلِ عرب یہ سمجھتے تھے اور قریش نے انہیں یہ باور کرنے کا موقع دیا تھا کہ وہ دین میں متشدد اور بڑے عابد و زاہد لوگ ہیں۔ اس لیے طواف صرف انہیں سے حاصل کیے ہوئے کپڑوں میں کرنا صحیح ہوگا۔ قرآن نے اس تصور کی تردید کی اور فرمایا:

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف ۷:۳۱)

اے اولاد آدم تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔

۳۔ اہلِ عرب نے حج کو عبادت سمجھنے کے بجائے ایک میلہ کی حیثیت دے دی تھی اور اس میں ذکرِ الٰہی اور استغفار و انابت کے بجائے خاندانی مفاخرت ان کا شیوہ بن گیا تھا۔ چنانچہ تمام قبائل مناسکِ حج سے فارغ ہونے کے بعد منیٰ میں قیام کرتے اور اپنے اپنے آباؤ اجداد کے محاسن اور کارنامے بیان کرتے۔ قرآن نے اس پر نکیر کرتے ہوئے انہیں ذکرِ الٰہی کی ہدایت کی:

فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا (البقرہ ۲: ۲۰۰)

پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کرچکو تو حق تعالیٰ کا اس طرح ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباء (اجداد) کا ذکر کیا کرتے ہو۔ بلکہ یہ ذکر اس سے (بدرجہا) بڑھ کر ہو۔

۴۔ حج ایک میلہ جیسی حیثیت ہوجانے کی وجہ سے ہی اس میں وہ تمام کام ہوتے تھے جو کسی میلہ میں ہوسکتے تھے۔ لڑائی جھگڑا، شوروغل، دنگا فساد، عورتوں سے چھیڑ خانی غرض فسق و فجور کے سارے کام ہوتے تھے۔ قرآن نے یکلخت ان پر پابندی عائد کردی اور حج کو ذکر و انابت، تقدس و پرہیزگاری اور خیر و ورع کا مرقع بنا دیا۔ فرمایا:

فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ (البقرہ ۲: ۱۹۷)

سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے تو پھر (اس کو) نہ کوئی فحش بات (جائز) ہے اور نہ کوئی بے حکمی (درست) ہے اور نہ کسی قسم کا نزاع حج کے سلسلہ میں (زیبا) ہے' جو نیک کام کرو گے خدا تعالیٰ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے۔

ب ۔ تقدس کے خود ساختہ معیارات کی اصلاح

اہل عرب نے تقدس کے کچھ خود ساختہ معیارات وضع کرلیے تھے۔ اسی بنا پر انہوں نے اپنے اوپر کچھ پابندیاں عائد کرلی تھیں۔ چونکہ ان کا دینداری اور تقویٰ سے کوئی تعلق نہیں تھا اس لیے اسلام نے انہیں ساقط کردیا۔ مثلاً :

۵ ۔ وہ قربانی کے جانوروں پر سواری جائز نہ سمجھتے تھے۔ آنحضرتؐ نے اس دستور کو ختم کیا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسولؐ اللہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قربانی کے جانور ہانکے لیے جارہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس پر سوار ہو لو۔ اس نے کہا یہ قربانی کا جانور ہے۔ آپؐ نے پھر فرمایا اس پر سوار ہولو۔ اس نے پھر یہی جواب دیا تو آپؐ نے تیسری مرتبہ خفگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا' تمہارا برا ہو اس پر سوار ہو لو۔(۸)

۶ ۔ وہ قربانی کے گوشت کا تین دن سے زیادہ استعمال جائز نہ سمجھتے تھے۔ اللہ کے رسولؐ نے یہ پابندی اٹھا دی۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہم منیٰ میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت نہیں کھاتے تھے' نبیؐ نے ہمیں رخصت مرحمت فرمائی اور فرمایا : اسے کھاؤ اور زاد راہ بناؤ۔ چنانچہ ہم نے (تین دن سے زیادہ بھی) اسے کھایا اور زاد راہ بنایا(۹)۔

۷ ۔ وہ حج کرکے واپس ہوتے تھے تو دروازوں سے گھر میں داخل ہونے کی بجائے پشت کی جانب سے کود پھاند کر یا نقب لگا کر آتے تھے۔ قرآن نے اس پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اصل چیز تقویٰ ہے جو حق کا مقصود ہونا چاہیے۔ حضرت براءؓ بن العازب فرماتے ہیں : "انصاری جب حج سے فارغ ہوتے تو دروازے کی جانب سے گھر میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ پشت کی جانب سے آتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص اس دستور کی خلاف ورزی کرکے دروازے سے گھر میں آگیا۔ لوگوں نے اسے بڑی لعنت و ملامت کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (۱۰):

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (البقرہ ۲ : ۱۸۹)

اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو۔ ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص (حرام چیزوں سے) بچے اور گھروں میں ان کے

دروازوں سے آؤ۔ اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

۸ ۔ وہ سفرِ حج میں زادِ راہ لے کر نہیں چلتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس سے توکل علی اللہ کی نفی ہوتی ہے۔ چنانچہ جب وہ مکہ پہنچتے تو وہاں لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے تھے(۱۱)۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ناپسندیدہ فعل قرار دیا اور ارشاد فرمایا:

وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (البقرہ ۲ : ۱۹۷)

اور (جب حج کو جانے لگو) ضروری خرچ لے لیا کرو۔ کیونکہ سب سے بڑی بات خرچ میں گداگری سے بچا رہنا ہے۔

۹ ۔ انہوں نے ایک "خاموش حج" ایجاد کرلیا تھا۔ یعنی حج کا اِحرام باندھتے تھے تو حج مکمل ہونے تک چپ رہتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے قبیلہ احمُس کی زینب نامی ایک عورت کو خاموش دیکھا۔ وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اس نے "خاموش حج" کا احرام باندھ رکھا ہے۔ آپ نے اسے ناجائز بتلاتے ہوئے فرمایا: **ھذا من عمل الجاھلیہ** (۱۲) (یہ جاہلیت کا عمل ہے۔)

۱۰ ۔ وہ حج کے لیے پاپیادہ سفر کرنے کو متبرک اور کارِ ثواب سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبیؐ نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے سہارے پیادہ پا جارہا ہے۔ آپؐ نے وجہ دریافت کی۔ معلوم ہوا کہ اس نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے۔ آپؐ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے کہ یہ شخص اپنے نفس کو عذاب میں ڈالے۔ چنانچہ آپؐ نے اسے سواری پر جانے کا حکم دیا (۱۳)۔ اسی طرح حضرت عقبہؓ فرماتے ہیں کہ میری بہن نے بیت اللہ تک پیدل جانے کی نذر مانی۔ میں نے اللہ کے رسولؐ سے اس سلسلہ میں دریافت کیا تو آپؐ نے ایسی نذر سے منع کیا اور فرمایا: وہ پیدل بھی چلے اور سوار بھی ہو"(۱۴)۔

۱۱ ۔ حج کے دوران وہ تجارت کو ناپسند کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ تجارتی لین دین حج کے تقدس کے خلاف ہے۔ نتیجتاً اکثر لوگ حج کی نیت ہی نہیں کرتے تھے اور ان کا مقصد عکاظ اور ذوالمجنہ کے بازاروں میں اکٹھا ہوکر محض تجارتی معاملات طے کرنا ہوتا تھا۔ دوسری جانب جو لوگ حج کی نیت سے آتے تھے وہ تجارتی منافع سے محروم رہتے تھے۔ اسلام نے اس تفریق کو ختم کرتے ہوئے کہا کہ تجارت، تقدسِ حج کے خلاف نہیں ہے(۱۵) :

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ: (البقرہ ۲ : ۱۹۸)

اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ (حج میں) معاش کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی

طرف سے ہے۔

۱۲ - اشہر حج میں عمرہ کرنے کو وہ "افجر الفجور" سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق جب ذی الحجہ کی چار تاریخ کو آنحضرتؐ نے صحابہؓ کو عمرہ کی نیت کرنے کی ہدایت کی تو انہوں نے بڑی حیرت کا اظہار کیا (فتعاظم ذلک عندھم)؛ مگر اللہ کے رسولؐ نے خود بھی عمرہ کرکے عملاً اس بے ضرورت رسم کو ختم کردیا(۱۶)۔

ج - مہمل اعمال کی اصلاح

کچھ اور مراسم بھی تھے جنہیں اہلِ عرب نے حج میں شامل کرلیا تھا اور انہیں وہ خدا کے تقرب کا ذریعہ سمجھتے تھے، مگر ان کی کوئی مذہبی حقیقت نہیں تھی۔ اسی لیے قرآن نے انہیں کالعدم قرار دیا اور اللہ کے رسولؐ نے بھی ان سے نہی فرمائی۔ مثلاً:

۱۳ - وہ قربانی کرتے تھے تو اس کے خون کو خانہ کعبہ کی دیواروں پر لگاتے تھے اور سمجھتے کہ اس کے ذریعے خدا سے تقرب حاصل ہوگا۔ قرآن نے اس سے نہی کردی:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج ۲۲ : ۳۷)

اللہ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

۱۴ - صفا و مرہ کے درمیان جو وادی ہے اس سے تیزی کے ساتھ دوڑ کر گزرتے تھے۔ اس عمل کو ان کے یہاں مذہبی دستور کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ اسلام نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "یہ سنت نہیں ہے"(۱۷)۔

۱۵ - وہ مزدلفہ سے اس وقت تک کوچ نہیں کرتے تھے جب تک کہ ثبیر کی پہاڑی سے سورج طلوع نہ ہوجائے۔ نبیؐ نے اس دستور کی مخالفت کرتے ہوئے طلوع شمس سے قبل کوچ کیا(۱۸)۔

۱۶ - بعض لوگ طواف کرتے تھے تو اپنے گناہ گار یا مجرم ہونے کا اظہار مختلف نامناسب طریقوں سے کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان تمام طریقوں کو ناپسندیدہ قرار دیا۔ مثلاً حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک شخص کو دیکھا جس نے رسی سے اپنا ہاتھ ایک شخص سے باندھ دیا ہے اور وہ اس کو طواف کرا رہا ہے۔ آپؐ نے اس کی رسی کاٹ دی (۱۹)۔

۱۷ - مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد واپسی کے سلسلہ میں ان کے دو گروہ ہوگئے تھے۔ بعض ایامِ تشریق میں واپسی کو گناہ سمجھتے تھے جبکہ دوسرے لوگ واپسی میں تاخیر کو غلط قرار دیتے تھے۔

قرآن نے دونوں طریقوں کو صحیح بتلاتے ہوئے کہا کہ اصل مطلوب چیز تقویٰ ہے:

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۗ (البقرہ ۲ : ۲۰۳)

اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کئی روز تک پھر جو شخص دو دن میں (مکہ واپس آنے میں) تعجیل کرے' اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص (دو دن) تاخیر کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں' اس شخص کے لیے جو (خدا سے) ڈرے۔

۱۸ - عہدِ جاہلیت میں تمام عرب صَفا و مَروہ کا بھی' جن پر اساف و نائلہ نامی بت نصب تھے' طواف کیا کرتے تھے جبکہ انصار' جو اسلام لانے سے قبل مناۃ بت کی پوجا کرتے تھے اس کا طواف ناپسند کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے خانہ کعبہ کے طواف کا حکم دیا اور صَفا و مَروہ کے طواف سے متعلق کوئی صریح حکم نازل نہ ہوا تو صحابہ کو شبہ ہوا کہ شاید شعائرِ جاہلیت میں سے ہونے کی وجہ سے اب ان کا طواف ممنوع ہے۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ نیز انصار نے بھی آپؐ سے زمانۂ جاہلیت میں ان کے طواف سے متعلق اپنی ناپسندیدگی کا تذکرہ کیا(۲۰) اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا (البقرہ ۲ : ۱۵۸)

تحقیقاً" صَفا اور مَروہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں۔ سو جو شخص حج کرے بیت اللہ کا یا (اس کا) عمرہ کرے۔ اس پر ذرا بھی گناہ نہیں۔ ان دونوں کے درمیان آمد و رفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے)

۱۹ - بعض لوگ سفرِ حج میں عجلت پسندی کا اظہار کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ کے رسولؐ نے سکینت و وقار کے ساتھ مراسمِ حج ادا کرنے کی تلقین کی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ یوم عرفہ میں نبیؐ کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے ایک موقع پر زبردست چیخ و پکار سنی اور دیکھا کہ لوگ اونٹوں کو مار رہے ہیں۔ آپؐ نے اشارہ سے انہیں منع کیا اور فرمایا کہ "سکینت اختیار کرو۔ نیکی عجلت میں نہیں ہے"(۲۱)۔

۲۰ - خانہ کعبہ کو دیکھ کر بعض لوگ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ حضرت جابرؓ سے کسی نے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: ہم نے نبیؐ کے ساتھ حج کیا ہے مگر ہم یہ نہیں کرتے تھے۔(۲۲)

مناسکِ حج میں اضافات

اوپر ان اصلاحات کا تذکرہ کیا گیا جو اللہ کے رسولؐ نے مناسکِ حج میں کیں۔ اب حج سے بعض ان اعمال کا تذکرہ کیا جاتا ہے جنہیں جاہلیت میں انجام نہیں دیا جاتا تھا۔ اللہ کے رسولؐ نے انہیں مشروع قرار دیا اور انہیں مناسکِ حج میں داخل کیا:

۱۔ صلح حدیبیہ کے اگلے سال جب مسلمان عمرہ کرنے گئے تو طواف کرتے ہوئے انہیں دیکھ کر مشرکینِ قریش ان پر یہ آوازے کسنے لگے کہ انہیں مدینہ کے بخار نے کمزور کردیا ہے۔ یہ سن کر اللہ کے رسولؐ نے مسلمان کو دورانِ طواف رُمل کرنے کا حکم دیا۔ یہ ایک وقتی ضرورت تھی مگر پھر یہ سنت قرار پائی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بن الخطاب فرماتے ہیں کہ ہمارا رمل سے کیا تعلق؟ اس کے ذریعے ہم نے مشرکین کے سامنے اپنی قوت و طاقت کا مظاہرہ کیا تھا اور اب انہیں اللہ نے ہلاک کردیا ہے۔ لیکن چونکہ اسے اللہ کے رسولؐ نے کیا ہے اس لیے ہم اسے چھوڑنا بھی نہیں چاہتے (۲۳)۔

۲۔ آنحضرتؐ نے مختلف اطراف سے حج کے لیے آنے والوں کے لیے میقات کی تعیین فرمائی۔ چنانچہ اہلِ مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ، اہلِ شام کے لیے جحفہ، اہلِ نجد کے لیے قرن المنازل، اہلِ یمن کے لیے یلملم کو میقات قرار دیا (۲۴)

۳۔ اگر کوئی تکلیف ہو تو مُحرِم کے لیے حلقِ راس کی اجازت اور اس کے فدیہ کی ادائیگی کا حکم قرآن نے دیا ہے۔

مناسکِ حج کی ادائیگی کا عملی مظاہرہ

اللہ کے رسولؐ نے نہ صرف یہ کہ اپنے ارشادات کے ذریعے مراسم حج کی اصلاحات کیں اور حج کو اہلِ عرب کے غیرتعبدی اعمال و مراسم سے پاک کیا بلکہ خود مناسکِ حج پر عمل کرکے طریقۂ حج کو صحیح اور منقح صورت میں پیش کیا۔ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں اگرچہ متعدد عمرے کیے، لیکن حج صرف ایک ہی کیا اور وہ حجۃ الوداع ہے جو ۱۰ھ میں ہوا۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کو جب علم ہوا کہ حضورؐ حج کا ارادہ رکھتے ہیں تو بڑی تعداد میں مدینہ میں اکٹھے ہوگئے۔ سب کی خواہش تھی کہ حج میں آنحضرتؐ کی اقتدا کریں اور آپ ہی کو دیکھ کر مناسکِ حج انجام دیں۔ چنانچہ جب آنحضرتؐ سفرِ حج کی غرض سے اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے تو آگے پیچھے دائیں بائیں تا حدِ نظر ہر چہار جانب لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا، اور لوگ کہہ رہے تھے کہ اللہ کے رسولؐ ہمارے درمیان قرآن کی تشریح کرنے والے ہیں۔ اس لیے جس طرح

آپؐ عمل کریں گے ویسے ہی ہم بھی عمل کریں گے (۲۵) خود آنحضرتؐ نے بھی مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے لوگوں سے بار بار یہی فرمایا: **قفوا علی مشاعرکم فانکم علی ارث من ارث ابراہیم (۲۶)**۔

(حج کے مناسک ادا کرو کیونکہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ورثہ ہیں)

سفرِ حج میں اور دورانِ حج بھی جو باتیں صحابہؓ کے نزدیک دریافت طلب ہوتی تھیں ان کے بارے میں وہ آپؐ سے دریافت کرتے۔ چنانچہ روایتوں میں آتا ہے کہ مقام روحاء میں آپؐ ایک قافلہ سے ملے تو ایک عورت نے اپنے بچہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے آپؐ سے دریافت کیا: کیا اس پر حج ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں اور اس کا اجر تم کو ملے گا (۲۷) قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے آپؐ سے دریافت کیا کہ میرے والد پر حج فرض ہے مگر وہ اپنی ضعیفی کی وجہ سے اسے ادا نہیں کرسکتے۔ کیا میں ان کی طرف سے حج بدل کرسکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: "ہاں"(۲۸)

اسی طرح مناسکِ حج کی ادائیگی میں صحابہؓ سے تقدیم یا تاخیر ہوجاتی یا کوئی غلطی سرزد ہوجاتی تو وہ آپؐ سے استفسار کرتے۔ چنانچہ روایات میں حجتہ الوداع کے موقع پر بہت سے صحابہؓ سے آنحضرتؐ سے استفسار کرنے کا تذکرہ ملتا ہے۔ ہر ایک کو آپؐ نے یہی جواب دیا **افعل ولا حرج (۲۹)** (کوئی حرج نہیں)

حجتہ الوداع ہی میں مختلف مواقع پر آپؐ نے صحابہ کے درمیان خطبے دیے۔ ان میں آپؐ نے معاشرہ کے مختلف طبقات کے لیے جو حقوق و فرائض بیان کیے۔ انہیں ہم "انسانیت کے منشور" کا نام دے سکتے ہیں۔ دنیا کا کوئی قانون حقوقِ انسانیت کا ایسا بے مثال منشور پیش کرنے سے قاصر ہے۔

تنظیمِ حج

فتح مکہ کے بعد عرب کے بڑے حصے کا نظم و نسق اسلامی ریاست کے تحت آگیا تھا۔ اس لیے آپؐ نے حج کی بھی تنظیم فرمائی۔ چنانچہ ۹ھ کے حج میں آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بنا کر مکہ بھیجا۔ اب وقت آگیا تھا کہ خانہ کعبہ جو خالص خدائے واحد کی عبادت کے لیے قائم کیا گیا تھا، اس کے حدود میں شرک و جاہلیت کی تمام رسمیں بزور بند کردی جائیں۔ یہی نہیں بلکہ مشرکین کو اس گھر کے قریب بھی پھٹکنے نہ دیا جائے۔ اس لیے آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو حج میں یہ اعلان کرنے کی ہدایت فرمائی کہ آئندہ سے کوئی برہنہ ہوکر طواف نہ کرے اور نہ ہی کوئی مشرک بیت اللہ کے حدود میں داخل ہو (۳۰)۔ اسی موقع سے سورہ توبہ کی آیات نازل ہوئیں جن میں

مشرکین عرب سے اعلان براءت کیا گیا ہے تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ حج کے موقع پر برسرعام لوگوں کو یہ آیات سنا دیں اور ان کے مطابق ان کے لیے جو طرزِ عمل تجویز کیا گیا ہے اس کا اعلان کردیں۔

خاتمہ

گزشتہ تفصیلات سے یہ بات بخوبی عیاں ہوجاتی ہے کہ رسولؐ اللہ کے عہد میں حج کی حقیقی تصویر کیا تھی؟ آپ نے اپنے ارشادات اور عمل کے ذریعے کس طرح نسلی امتیازات کا خاتمہ کیا اور تقدس حج کے خود ساختہ اور غیرشرعی معیارات کو باطل قرار دیا؟ آج بھی امت کی بھلائی اسی بات میں ہے کہ سنت نبوی کو زندہ کیا جائے اور زندگی کے دوسرے معاملات کی طرح حج میں بھی جو غیر شرعی اور غیر مسنون طریقے در آئے ہیں اور تقویٰ و پاکیزگی کے جن خود ساختہ معیارات نے جنم لے لیا ہے، انہیں مردود قرار دے کر سنت کے سرچشمے کی طرف رجوع ہوا جائے کیونکہ ۔ لن یصلح اخر ھذہ الامتہ الا بما صلح بہ اولھا (اس امت کے آخری دور کی درستگی اسی ذریعہ سے ہوسکتی ہے جس سے ابتدائی دور کی اصلاح ہوئی تھی)

حوالہ جات

(۱) المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام۔ الدکتور جواد علی۔ مطبعہ المجمع العلمی العراقی بغداد ۱۹۵۵ء جلد پنجم (القسم الدینی) ص ۲۲۳

(۲) قرآن نے حضرت ابراہیمؑ کے اس اعلان عام کا یوں تذکرہ کیا ہے: وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ (حج ۲۲/۲۷)

(۳) صحیح بخاری۔ کتاب المناسک باب من کبر فی نواحی الکعبہ۔

(۴) ایک حدیث میں ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ (متفق علیہ)

(۵) قرآن میں متعدد مقامات پر نبیؐ کی زبانی ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً دیکھیے آل عمران - ۶۸، النحل ۲۳

(۶) صحیح مسلم کتاب الحج۔ (۷) المفصل، جواد علی ۵/۷۷ بلوغ الارب فی معرفتہ احوال العرب۔ السید محمود شکری الآلوسی۔ دارالکتاب العربی، مصر طبع سوم جلد دوم ص ۲۸۹

(۷) الازرقی ۔ اخبار مکہ ۱/۱۷۔
(۸) صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب رکوب البدن
(۹) ایضاً ۔ باب اذ بوانا لابراہیم مکان البیت۔
(۱۰) ایضاً باب قول اللہ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا۔
(۱۱) ایضاً باب قول اللہ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى
(۱۲) ایضاً باب الجاہلیہ۔
(۱۳) ایضاً باب من نذر المشی الی الکعبہ
(۱۴) ایضاً
(۱۵) ایضاً باب التجارۃ ایام الموسم والبیع فی اسواق الجاہلیہ بروایت ابن عباس
(۱۶) صحیح بخاری کتاب المناسک باب التمتع والاقران ولا فراد بالحج ۔ مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبیؐ
(۱۷) صحیح بخاری جلد اول، باب ایام الجاہلیہ
(۱۸) ایضاً، وکتاب المناسک باب متی یدفع من جمع
(۱۹) صحیح بخاری، کتاب المناسک باب اذا رای سیرا او شیئا یکرہ الطواف
(۲۰) صحیح بخاری۔ کتاب المناسک باب وجوب الصفا والمروہ
(۲۱) ایضاً باب امر النبیؐ بالسکینۃ عند الافاضہ
(۲۲) ترمذی و ابوداؤد
(۲۳) صحیح بخاری کتاب المناسک باب الرمل فی الحج والعمرہ
(۲۴) متفق علیہ
(۲۵) صحیح مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبیؐ
(۲۶) سنن ابی داؤد، کتاب المناسک باب موضع الوقوف بعرفہ
(۲۷) صحیح مسلم کتاب الحج بروایت ابن عباسؓ
(۲۸) متفق علیہ
(۲۹) صحیح بخاری، کتاب المناسک باب الفتیا علی الدابہ عند الجمرہ
(۳۰) صحیح بخاری کتاب المناسک باب لا یطوف بالبیت عریان

اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا تصور اور نظام معیشت

ممتاز احمد سالک

(دوسری اور آخری قسط)

اسی طرح صنعت و حرفت کے شعبے کا معاملہ بھی ہے۔ اس کے فروغ کا دارومدار خود انسان پر ہوتا ہے۔ ہر صنعتی چیز کو انسان ہی کا ذوقِ لطیف' شکلِ جمیل عطا کرتا ہے۔ مختلف لوگوں میں ذوق و شوق' رجحانات و میلانات اور مہارت و استعداد کو اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے جس سے سارا معاشرہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ

(سورۃ الانبیاء ۲۱:۸۰)

ہم نے تمہارے فائدے کے لیے اسے زرہ بنانے کی صنعت سکھا دی' تاکہ تمہیں لڑائی میں ایک دوسرے کی زد سے بچائے۔ پھر کیا تم شکر گزار ہو؟

علاوہ ازیں صنعت و حرفت کے ساتھ آگ کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ یہ ایک طرف رات کی تاریکیوں کو منور کرکے ہمیں کام کاج کے مواقع مہیا کرتی ہے دوسری طرف خوردونوش کی بے شمار اشیاء کو حسبِ ضرورت و منشا تیار کرنے میں مدد دیتی ہے اور تیسری طرف اس کی حدّت و حرارت کی آنچ مختلف دھاتوں اور دیگر خام اشیاء کو مختلف صورتوں' شکلوں اور سانچوں میں ڈھالنے کے لیے اہم کردار سرانجام دیتی ہے۔ اس آگ کو سلگانے کا مادہ ربِ کائنات ہی کا فراہم کردہ ہے۔

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِىْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۝ (سورۃ الواقعہ ۵۶: ۷۱ تا ۷۳)

کبھی تم نے خیال کیا کہ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو' اس کا درخت تم نے پیدا کیا یا اس کو پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ ہم نے اسے یاد دہانی کا ذریعہ اور حاجتمندوں کے لیے سامانِ زیست بنایا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس ہم اپنی معاشی زندگی کا کوئی شعبہ لے لیں' اس کے فروغ و تنزل میں اللہ تعالیٰ ہی کی حکمت و قدرت کی کارفرمائی نظر آئے گی۔ اس کے سامنے انسانوں کی خواہشیں' صلاحیتیں اور مہارتیں سرنگوں ہوجاتی ہیں' اس لیے کہ حقیقی مالک وہی ہے۔ اپنی ملکیت پر اس کے اختیارات لامحدود اور بلاشرکت غیرے ہیں' نہ تو وہ کسی کا محتاج ہے اور نہ ہی اس کے پاس ذرائع و وسائل کی کمی ہے۔ وہ ان وسائل کو پوری کائنات میں اپنی مرضی سے تقسیم کرتا ہے' ان کی نوعیت و مقدار کا تعین وہ خود کرتا ہے۔ انسانوں کی معاشی سرگرمیاں تو محض اس کی مرضی ہی کی تلاش کے لیے ہوتی ہیں۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (سورۃ الحجر ۱۵: ۱۹ تا ۲۱)

ہم نے زمین کو پھیلایا' اس میں پہاڑ جمائے' اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائیں' اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے' تمہارے لیے بھی اور ان بہت سی مخلوقات کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں' کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ اور جس چیز کو ہم نازل کرتے ہیں' ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات اور ان جیسی بے شمار دیگر آیات کے ذریعے قرآنِ حکیم نے بار بار یہ بات ذہنوں میں راسخ کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان تمام مادی اشیاء کا خالق' مالک' رب' محافظ' نگران اور کفیل ہے جو ہماری معاشی حاجات و ضروریات کی تسکین کا ذریعہ ہیں۔ یہ ساری نعمتیں جن پر انسان کی مادی زندگی کا انحصار ہے' اسی کی عطا کردہ ہیں' یہ سب اسی کے بنائے ہوئے ضابطے اور حکم کے مطابق ہماری خدمت کرتی رہتی ہیں' ان میں نفع بخش ہونے کی صلاحیتیں اور استعدادیں بھی وہی پیدا کرتا ہے اور انہیں نت نئے طریقوں پر استعمال کرنے کی ترکیبیں بھی وہی سمجھاتا ہے۔ اس لیے حقیقتاً خالق بھی وہی ہے اور "نتیجتاً" مالک بھی وہی ہے' اس تصور کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ہمارے پورے معاشی نظام اور تمام معاشی سرگرمیوں کو اسی کے حکم و منشا کے مطابق چلنا چاہیے۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (سورۃ الاعراف ۷: ۵۴)

یاد رکھو اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا۔

REGD. NO. L 5340 PHONE : 234014 / 236665

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

کا جاری کردہ

ماہنامہ ترجمان القرآن

تزئین نو کے بعد

نئی آب و تاب کے ساتھ اگست ۱۹۹۳ میں پہلا شمارہ

مدیر مسئول : خرم مراد

نیوز پرنٹ کے بجائے سفید دیدہ زیب کاغذ صفحات ۵۶ سے بڑھا کر ۸۸

مضامین میں ہر وہ چیز جس کی خاطر آپ

ایک دینی ' دعوتی ' تحریکی ' علمی تربیتی ماہنامہ پڑھنا چاہتے ہیں۔

☆ قرآن ' حدیث ' سیر صحابہ و صالحین
☆ حکمت و تفقہ دین
☆ عالمی اسلامی تحریکات
☆ اصول دین
☆ تحریکی مسائل و افکار
☆ عصر حاضر کے مسائل اور چیلنج
☆ عصر حاضر میں اسلامی زندگی
☆ حالات حاضرہ : (مسلم دنیا ' تحریکات اسلامی ' عالمی سیاسیات)

☆ تاریخ و شخصیات
☆ مستقبل اسلام کا ہے
☆ امت مسلمہ کو درپیش چیلنج
☆ دور حاضر میں اسلامی نظام حیات اور اس کا نفاذ
☆ تعلیم و تربیت ' تزکیہ نفس و اجتماع
☆ مغربی تہذیب ' افکار و نظریات اور مغربی سوسائٹی
☆ تزکیہ و تربیت نفس
☆ سیاسی و تہذیبی مسائل پر فکر انگیز اشارات

☆ حکمت مودودیؒ ' رسائل و مسائل ' اور تبصرہ کتب کے مستقل عنوانات

قیمت فی شمارہ ۱۰ روپے سالانہ چندہ - ۱۰۰ روپے (اندرون ملک)

سالانہ چندہ برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب ' انڈیا ' برما ' متحدہ عرب امارات ' بحرین ' عمان ' ایران = ۲۰ر امریکی ڈالر

اسٹریلیا ' جنوبی افریقہ ' تھائی لینڈ ' ناروے ' ویسٹ انڈیز = ۲۵ر امریکی ڈالر

بنگلہ دیش = ۷ر امریکی ڈالر

آج ہی خریدار بن جائیے ایجنسیاں اپنے آرڈر بک کرائیں۔ دعوت و تحریک کے لیے زیادہ سے زیادہ اشاعت کی سعی کریں۔

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار ۰ لاہور